بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا

جمال و حسن قرآن نورِ جانِ ہر مسلماں ہے،
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے،

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ماہانہ ترجمان

الفرقان

جلد ۴ — نمبر ۴

اپریل سنہ ۱۹۵۴ء

چندہ سالانہ
پانچ روپے

قیمت فی پرچہ
آٹھ آنے

ایڈیٹر
ابو العطاء جالندھری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب مدیر رسالہ "طلوع اسلام" کراچی کے نام

جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ طلوع اسلام نے ایک بریہ مضمون "ایک عزیز کے نام خط" پر تبصرہ کرتے ہوئے تشریعی اور غیر تشریعی نبوت ظلی نبوت کی حقیقت "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے نبی بننے کا امتیاز" قرآن مجید کی باطنی حفاظت" اور قرآن مجید میں مسیح موعود کے آنے کی پیشگوئی کے سلسلہ میں سوالات کئے تھے۔

(طلوع اسلام اکتوبر ۵۲ء)

ایڈیٹر صاحب کا مطالبہ تھا کہ ان کے سوالات کے جواب صرف قرآن مجید سے دئیے جائیں چنانچہ ہم نے ان پانچوں سوالوں کے جواب قرآن مجید کے رُو سے رسالہ الفرقان کے قرآن نمبر بابت دسمبر ۵۳ء میں شائع کر دیئے۔ ہمارا خیال تھا کہ تحقیق کے مدعی جناب ایڈیٹر صاحب طلوع اسلام ان آیات قرآنیہ پر غور کریں گے تا اس کا انکار کیا جاسکے مگر

ع خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ ایڈیٹر صاحب نے مارچ ۵۴ء کے طلوع اسلام میں جو جواب دیا ہے وہ حسب ذیل ہے :-

"طلوع اسلام نے اپنی اکتوبر ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں احمدیت کے عقائد کے متعلق چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے کچھ سوالات کئے تھے اور اسکی صراحت کی تھی کہ اگر وہ ان سوالات کا جواب دینے کی زحمت گوارا فرمائیں تو انہیں طلوع اسلام میں شائع کیا جائیگا۔ ہمارے پاس اسکے بعد بہت سے استفسارات آئے ہیں کہ چودھری صاحب موصوف نے ان سوالات کا کوئی جواب بھیجا ہے یا نہیں۔ ہمارے پاس چودھری صاحب کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ بعض احباب نے لکھا ہے کہ کچھ اور احمدی حضرات ان کا جواب لکھنے کو کہتے ہیں (اور شاید کسی نے کچھ لکھا بھی ہے) لیکن ہمارے سوالات خود چودھری صاحب سے تھے جن کی رُو سے ہم یہ بتانا چاہتے تھے کہ ان کے پاس ان کے عقائد کی قرآنی سند نہیں ہے لہٰذا ان سوالات کا جواب بھی چودھری صاحب ہی کی طرف سے ہونا چاہیئے یا وہ خود جواب دیں یا کسی کی طرف سے دیئے ہوئے جواب کے متعلق ہمیں لکھ دیں کہ اس جواب کو انہی کی طرف سے جواب سمجھا جائے اسکے بعد ہم بتائیں گے کہ ان جوابات کو قرآن کی بارگاہ سے کیا جواب ملتا ہے۔" (ص۲۱)

ہم حیران ہیں کہ اس صریح گریز کو "جواب" کہیں یا "جواب انکار"۔ آپ کو قرآنی سند سے کام ہے یا کسی کی ذات سے الجھنا مقصود ہے؟ ایک طرف آپ "شخصیت پرستی" کی مخالفت میں یہاں تک کہ رہے ہیں کہ ہم محمد کلام اللہ پیش کریں گے ہمیں احادیث رسول کی ضرورت نہیں۔ دوسری طرف کہتے ہیں کہ جب تک چودھری ظفر اللہ خان صاحب نہ لکھ دیں کہ یہ جواب انہی کی طرف سے سمجھا جائے ہم ان آیات قرآنیہ کو قابل التفات نہیں سمجھتے۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

ایک طرف ایڈیٹر صاحب طلوع اسلام کا جواب ہے اور دوسری طرف جناب چودھری ظفر اللہ خان صاحب کا مکتوب ذیل قابل توجہ ہے تحریر فرماتے ہیں :-

"مکرمی جناب مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
آپ کا والا نامہ ملا۔ جزاکم اللہ۔ طلوع اسلام کی غرض میرے ساتھ ذاتی بحث چھیڑنا ہے۔ میرے لئے مناسب نہیں کہ میں اس بحث میں پڑوں۔ اگر ان کی نیت محض جواب معلوم کرنا ہوتی تو وہ الفرقان کی طرف توجہ کرتے۔
خاکسار ظفر اللہ خان 11 . 3 . 54

ہم نے الفرقان مارچ ۵۴ء میں یہ خط شائع کرتے ہوئے لکھا تھا کہ :-

"کیا ہم توقع رکھیں کہ مدیر صاحب اپنے مسلک پر نظر ثانی فرمائیں گے؟"

آج ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایڈیٹر صاحب طلوع اسلام کو ہماری پیش کردہ آیات قرآنیہ اور ان سے اخذ کردہ استنباط واستدلال پر اگر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جلد ۴ — الفرقان — نمبر ۴

الفرقان

بابت ماہ اپریل ۱۹۵۴ء

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان مضمون	نام مضمون نگار	نمبر صفحہ
۱	جناب مدیر رسالہ طلوع اسلام کراچی کے نام	ایڈیٹر	ٹائٹل پیج
۲	مطالبۂ فرقان	حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی	
۳	قرآن مجید کے نزدیک معیار زندگی (مذہبی جماعتوں کے دورِ ابتلاء کا ایک نظارہ)	ایڈیٹر	۲
۴	قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے	"	۴
۵	آیت وانّہٗ لعلمٌ للسّاعۃ کا کیا مطلب ہے؟	"	۵
۶	اشاعتِ قرآن کے لئے ایک نئی انجمن!	"	۸
۷	قرآن مجید اور اشتراکیت (اسلامی معاشرہ کیلئے قرآنی اصول)	جناب چودہری احمد الدین صاحب پلیڈر گجرات	۹
۸	مسئلۂ حجاب (کیا چہرہ پردہ میں شامل ہے؟)	ایڈیٹر	۱۹
۹	کرۂ ہوائی یا ہوائی شامیانہ (انگریزی سے ترجمہ)	حضرت مولوی عبد الغنی خان صاحب	۲۰
۱۰	مسیحی کلیسا کا الوہیت مسیح کے متعلق غلط عقیدہ	ایڈیٹر	۲۴
۱۱	سلسلہ انبیاء میں خاتم النبیین صرف رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں! (پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کے رسالہ پر ایک نظر)	جناب شیخ عبد القادر صاحب لائلپور	۲۷
۱۲	حضرت امام جماعت احمدیہ پر قاتلانہ حملہ اور بھارتی اخبارات (اسلام اور پاکستان کو بدنام کرنیوالوں کی مذمت)	اقتباسات	۳۲
۱۳	قرآن کریم کا نزول، اس کا جمع ہونا اور اسکی ترتیب	جناب مولوی غلام احمد صاحب فاضل	۳۳

(طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا میں چھپوا کر دفتر الفرقان احمد نگر ضلع جھنگ سے شائع کی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد [illegible] | ماہ شعبان ۱۳۷۶ھ | الفرقان | اپریل ۱۹۵۷ء | نمبر [illegible]

بیان التنزیل [1]

قرآن مجید کے نزدیک معیارِ زندگی

خدائی جماعتوں کے دورِ ابتلاء کا ایک نظارہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الصُّمُّ
الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ۔ وَلَوْ عَلِمَ
اللّٰہُ فِیْھِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَھُمْ وَلَوْ
اَسْمَعَھُمْ لَتَوَلَّوْا وَّھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۔
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ
وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ
وَقَلْبِہٖ وَاَنَّہٗٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ۔ وَ
اتَّقُوْا فِتْنَۃً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا
مِنْکُمْ خَآصَّۃً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ
شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۔ وَاذْکُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ
قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ
اَنْ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ فَاٰوٰکُمْ وَ
اَیَّدَکُمْ بِنَصْرِہٖ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ
لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۔ (سورہ انفال ۲۲-۲۶)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام جانداروں میں سے بدتر وہ لوگ ہیں جو بہرے اور گونگے ہیں اور عقل سے کام نہیں لیتے۔ اگر الٰہی علم کے مطابق ان کے دلوں میں کوئی بھلائی ہوتی تو وہ انہیں حق کے سننے والا بنا دیتا۔ اور اگر موجودہ حالت میں انہیں پیغام حق پہنچایا جائے تو وہ دلی اعراض کے ساتھ ساتھ پیٹھ بھی پھیر لیتے ہیں۔ اے مومنو! اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہو اور جب بھی وہ زندگی بخش امور و اعمال کے لئے تمہیں بلائیں تو ان کی بات فوراً مانو تمہیں جاننا چاہیئے کہ بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق انسان اور اس کے دل میں روک پیدا ہو جاتی ہے اور یقیناً سمجھو کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گے۔ اس عمومی عذاب سے بچنے کی پوری کوشش کرتے رہو جو صرف ظالموں تک محدود نہیں ہوتا اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ ہاں اس بات کو ہمیشہ یاد کرتے رہو کہ تم کبھی تھوڑے ہوتے تھے لوگ زمین پر تمہیں کمزور سمجھتے تھے اور تم خود بھی ہر وقت یہ خطرہ محسوس کرتے تھے کہ لوگ تم پر اچانک حملہ آور ہو کر تمہیں اُچک نہ لیں پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں پناہ دی اور اپنی غیر معمولی نصرت سے تمہاری تائید فرمائی اور تمہیں طیب و حلال رزق کی فراوانی عطا فرمائی تاکہ تم شکر کرتے رہو"

تفسیر۔ ان پانچ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس معیارِ زندگی کی تشریح فرمائی ہے جسے اسلام پیش کرتا ہے۔ قرآن مجید کے

[1] ایسے قرآنی اسباق کا سلسلہ ہر شمارہ میں جاری رہے گا۔ انشاء اللہ۔

نزدیک انسان کو تمام جانداروں میں ممتاز کرنے والی صرف یہ بات ہے کہ وہ حق کو سنتا ہے، حق کو بیان کرتا ہے اور اس کے بارے میں پورے دل سے سوچتا ہے۔ اگر انسان ان خداداد طاقتوں سے کام نہ لے اور ایک بے حس و حرکت ہستی بن جائے تو اس کے بدترین مخلوق ہونے میں کیا شبہ ہے۔ انسان اگر حق سے اعراض کا عادی بن جائے اور حق کی بات سننے کی اس میں طاقت نہ رہے تو وہ انسانیت کے امتیاز کو ضائع کرنے والا ہے۔

حیات کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس حیاتِ سرمدی کے احکام پہنچانے والی ہستی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ اسلئے طالبانِ حیاتِ روحانی کا فرض ہے کہ بلا چون و چرا اور کسی قسم کے پس و پیش کے بغیر اللہ اور رسولؐ کی بات کو مانیں اور ان کے احکام کی تعمیل بجالائیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کا مدعا و مقصد صرف یہ ہے کہ انسانوں کو ابدی زندگی نصیب ہو اور ان کی روحانی مردنی کا ازالہ کیا جائے اور یہ مدعا اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے جب مدعیانِ ایمان یا زندگی کے سچے متلاشی فوراً ہی ان احکام کی تعمیل پر کمربستہ ہو جائیں۔ کیونکہ انسانی دل اس طرز پر واقع ہوا ہے کہ موقع کے مہیا ہونے کے باوجود جن حکموں کی تعمیل میں دیر کی جائے ان کی اہمیت دل سے گر جاتی ہے اور آہستہ آہستہ انسان توفیقِ عمل سے محروم ہو جاتا ہے۔ اندریں صورت چونکہ موقع کے ضائع کرنے کی ذمہ داری انسان پر ہے اسلئے وہ سہل انگاری کے عواقب سے بچ نہیں سکتا۔ اس کا دل زنگ خوردہ ہو جاتا ہے اور پھر باوجود دعویٰ ایمان کے عمومی عذابوں میں اسی طرح مبتلا ہوتا ہے جس طرح دوسرے ظالم لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کی اصلاح نہ کرنے کی ذمہ داری بھی اہلِ ایمان پر ہے۔

آخری آیت "وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ" میں مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کبھی اپنی کثرت اور اپنے اقتدار پر نازاں نہ ہونا اور ان چیزوں کو اصل معیارِ زندگی قرار نہ دے لینا کیونکہ یہ چیزیں عارضی ہیں۔ خدا کی تائید و نصرت کے ساتھ یہ چیزیں مزید بابرکت ہیں لیکن اصل مقصود نہیں ہیں اسلئے ان کی موجودگی تمہیں مغرور نہ کرے اور ان سے محرومی تمہارے لئے باعث رنج و ملال نہ ہو۔ اہلِ حق ہمیشہ اپنے ابتدائی دورِ ابتلاء میں ایسی حالت سے گزرے ہیں اور آئندہ بھی گزرتے رہیں گے۔ ایسے لوگوں کو جب اللہ تعالیٰ امن اور فتوحات کے ایام دکھاتا ہے اور ان کے ہاتھوں میں اقتدار کی زمام دی جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور کسی کمزور پر ظلم نہیں کرتے اور اپنی طاقت کے زعم میں کسی کی آزادی کو نہیں چھینتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کے بندوں کے فائدہ کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

نتائج۔ ان آیات میں جن امور کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہیں:۔

اوّل۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ غور و فکر کی قوت سے ہمیشہ کام لے اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو ہر وقت کام میں لاتا رہے۔ حق بات کا سننا اس کے لئے عار نہ ہو اور حق بات کے کہنے سے کوئی چیز اُسے روکنے والی نہ ہونی چاہیئے۔ اس کی قلبی اور دماغی قوتیں ہمیشہ بروئے کار آتی رہنی چاہئیں۔

دوم۔ زندگی کا سرچشمہ اللہ اور رسولؐ کے احکام کی تعمیل میں ہے۔ جسمانی زندگی عارضی اور فانی ہے حقیقی اور ابدی زندگی روحانی زندگی ہے اور یہ زندگی اعمالِ صالحہ کے نتیجہ میں ملتی ہے۔ محض دعویٰ ایمان بیکار ہے جب تک اس ایمان کا ثبوت عمل صالح سے نہ دیا جائے۔ دعویٰ ایمان کرنے والے جب حکموں کی تعمیل سے روگردانی اختیار

کرتے ہیں تو انجام کار دوسرے ظالموں اور ان میں کوئی فرق نہیں رہتا اور سب ہی خدا تعالیٰ کی گرفت میں آ جاتے ہیں۔

سماوی الٰہی جماعتیں ابتدائی دور میں ایسے ضعف کی حالت میں ہوتی ہیں کہ وہ اپنی تعداد اور اپنی قوت کے لحاظ سے پرکاہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور دوسرے لوگ بھی ان کو حقیر و کمزور سمجھتے ہیں اور وہ لوگ خود بھی اپنے آپ کو سراسر ناتواں جانتے ہیں۔ وہ اس طرح دشمنوں کے نرغہ میں ہوتے ہیں کہ انہیں دن رات اس خطرہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ اب بھی اچانک حملہ ہوا، اب بھی اچانک حملہ ہوا مگر آخرکار زندگی بخشنے والا خدا اپنے فضل سے انہیں اپنی پناہ میں لے لیتا ہے اور ایسے سامان پیدا کرتا ہے کہ وہ مومن خود بھی دنگ ہو جاتے ہیں اور ان کے بدخواہ بھی حیران و ششدر رہ جاتے ہیں کہ یہ کیا ہو گیا۔ وہی کمزور جماعت قوت و اقتدار حاصل کر لیتی ہے، وہی ناتواں جماعت طاقت ور بن جاتی ہے اور وہی کمزور لوگ دوسروں کی حفاظت اور پناہ کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں بعض نئے مومنوں کے لئے خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں ان کا قدم راہ راست سے ڈگمگا نہ جائے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسلمان اپنے ابتدائی ضعف کی حالت کو ہمیشہ یاد کرتے رہیں۔ طاقت مومنوں کو متکبر نہ بنا سکے اور ضعف ان کے عزائم کو کمزور نہ کر سکے۔

اے احمدی جماعت کے نونہالو! قرآن کریم کے اس سبق کو کبھی نہ بھلانا۔ یہ قوموں کی تعمیر اور انکی بقاء اور اہمیت کا راز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے ساتھ ہو۔ آمین!

قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے!

کیا آیات کی تاریخ نزول کا علم ضروری ہے؟

پشاور میں "پاکستان ہسٹری کانفرنس" کے صدارتی خطبہ میں مولانا محمد اکرم خان صاحب نے کہا ہے کہ:-

"اسلام کے تمام اوامر و نواہی نیز سیاسی اور اخلاقی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے قرآن حکیم کی ترتیب نزول کا تعین از حد ضروری ہے۔"

ہمارے نزدیک قرآن مجید ایک کھلی کتاب ہے۔ اس کی آیات کی تاریخ نزول معلوم نہ ہونے سے اسکے حقائق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہاں یہ درست ہے کہ اگر کسی کو ترتیب نزول کا علم ہو جائے تو یہ بھی مفید ہے اور جس حد تک یہ علم ہونا ضروری ہے اس حد تک تفاسیر اور تواریخ کی کتب میں مذکور ہے اور اہل علم ہمیشہ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ لیکن یہ خیال سراسر باطل ہے کہ اگر کسی کو ترتیب نزول کا آیت بآیت اور تاریخوار علم نہ ہو تو وہ حقیقت قرآن سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔

مولانا اکرم خان صاحب نے اپنے دعویٰ پر زور دیتے ہوئے کہا ہے کہ:-

"قرآن مجید کی پانچ سو آیتوں کو متقدمین نے منسوخ قرار دے رکھا ہے۔ اکثر فقہی اور تفسیری مباحث میں اب بھی علی العموم ناسخ و منسوخ کے دعاوی پیش کئے جاتے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ناسخ حکم سے منسوخ حکم کا پہلے صادر ہونا ضروری ہے لیکن جب تک مختلف سورتوں کے نزول کی تاریخ متعین نہ ہو اسوقت تک کسی سورت کی کسی آیت کو منسوخ قرار دینا درست نہ ہو سکے گا۔ (باقی صفحہ ۲۶ پر)

تفسیر القرآن

آیت وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کا کیا مطلب ہے؟

سیاق و سباق کے لحاظ سے بہتر اور مدلل تفسیر!!

جناب مولانا عبدالماجد صاحب بی۔ اے مدیر "صدق جدید" لکھنؤ زیر عنوان "ایک قرآنی سوال" لکھتے ہیں:۔

"پاکستانی پنجاب سے آیا ہوا ایک سوال:۔ سورۃ الزخرف کے پانچویں رکوع میں ایک آیت ہے وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ الخ۔ اس کا ترجمہ شیخ الہند نے کیا ہے" اور وہ نشان ہے قیامت کا" اور مولانا شبیر احمد عثمانی نے حاشیہ میں لکھا ہے۔ حضرت مسیحؑ کا اول مرتبہ آنا تو خاص بنی اسرائیل کے لئے ایک نشان تھا اور دوبارہ آنا قیامت کا نشان ہوگا۔ آیت سے پہلے حضرت مسیحؑ کا ذکر موجود ہے لیکن تردد اس میں ہو رہا ہے کہ لَعِلْمٌ کا ترجمہ 'نشان' کس طرح موزون ہے۔ کیا ترجمہ یوں بہتر نہ ہوتا کہ وہی علم رکھتا ہے قیامت کا' یا اسے بھی علم ہے قیامت کا..... اِنَّهٗ' کی ضمیر کیا مسیحؑ کے لئے ضروری ہے اور علم الساعۃ تو صاف بتا رہا ہے کہ یہ قیامت کے علم کے بارہ میں ہے ...... از راہ کرم صحیح بات سے مطلع فرمائیے۔

ضمیر ہٗ کو اللہ کی طرف لے جانے اور معنی یوں کرنے کی کہ وہی قیامت کا علم رکھتا ہے یا اسی کو قیامت کا علم ہے تو کوئی صورت الفاظ قرآنی سے نہیں بن پڑتی —— لیکن آیت کا پھر صحیح مفہوم کیا ہے؟ آیت قرآن کی دشوار ترین آیتوں میں سے ہے اور اس کا حل جیسا کہ ہونا چاہیئے جس طرح سائل کے علم میں نہیں مجیب کے بھی ذہن میں نہیں۔

شیخ الہند اور مولانا عثمانی اپنے اس ترجمہ میں منفرد نہیں مفسرین' شارحین' مترجمین سب بڑی کثرت سے اسی طرف گئے ہیں کہ علم یہاں شرط' نشان' یا علامت کے معنی میں ہے۔ فارسی اور اردو کے سارے قدیم ترجموں (سعدی' ولی اللہ دہلوی' شاہ رفیع الدین شاہ عبدالقادر) سب ہی کے ہاں ترجمہ 'نشان' یا 'علامت' سے ملتا ہے۔ اور کشاف' بیضاوی' بحر' وغیرہ کے ہاں تفسیر 'شرط' یا 'آیۃ' ہی سے ملتی ہے۔ علم کی دوسری قرأت (اور وہ بھی متواتر ہے) عَلَم (بہ فتحتین) سے آئی ہے۔ اور عَلَم تو خود ہی معنی علامت کے ہیں متعدد صحابیوں مثلاً (ابن عباسؓ و ابوہریرہؓ) اور متعدد تابعین (مثلاً قتادہؒ) نے اسی قرأت سے پڑھا ہے —— رہی ضمیر ہٗ تو وہ بھی صحابیوں اور تابعین کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ ہی کی جانب پھیری ہے جن کا ذکر ذرا قبل آچکا ہے۔ دو قول اور بھی نقل ہوئے ہیں۔ ایک میں ضمیر کا مرجع قرآن کو بنایا گیا ہے' اور دوسرے میں رسول اللہ کی ذات کو لیکن ان دونوں قولوں پر سخت جرح ہوئی ہے اور جمہور کا فیصلہ حضرت

عیسیٰؑ ہی کے حق میں رہا ہے۔

جب یہ دونوں باتیں تسلیم ہوگئیں تو قدرتاً معنی یہ پیدا ہوتے ہیں کہ عیسیٰؑ کا ظہور ثانی قرب قیامت کی ایک یقینی علامت ہے سب سے زیادہ سلجھا ہوا ترجمہ مفسر تھانوی کا ہے وہ (یعنی عیسیٰؑ) تو ایک ذریعہ ہیں قیامت کے یقین کا ۔ ۔ ۔ اور جب تک کوئی تفسیر بہتر اور قوی تر دلیل کے ساتھ ہاتھ میں نہ آجائے لامحالہ اس کو ماننا اور اسی پر قناعت کرنا ہے۔"

(صدق ۱۹ فروری ۱۹۵۴ء)

اس اقتباس کے آخری خط کشیدہ الفاظ میں اگرچہ مولانا نے جناب مفسر تھانوی کے ترجمہ کو "سب سے زیادہ سلجھا ہوا ترجمہ" قرار دیا ہے۔ تاہم وہ اس سے بہتر اور زیادہ مدلل تفسیر کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔

آیت کریمہ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (زخرف: ۶۱) کے الفاظ اور اس کے مضمون پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اِنَّهٗ کی ضمیر غائب کا مرجع قرآن مجید یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دینے میں بھی کوئی قباحت لازم نہیں آتی بلکہ بعض پہلوؤں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن کریم کو مرجع ٹھہرانا زیادہ مفید نظر آتا ہے لیکن ہمارے نزدیک ظاہر الفاظ اور سیاق کلام کے اعتبار سے اس ضمیر غائب سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام کو لینا زیادہ اولیٰ اور انسب ہے۔ اور اگر خواہ مخواہ ایک مزعومہ عقیدہ کو اس آیت سے ثابت کرنے کے ارادہ سے آیت میں اضافہ نہ کیا جائے، تو آیت کریمہ اپنے مفہوم کے لحاظ سے نہایت واضح ہے۔ اس ساری آیت کا ترجمہ یہ ہے:۔

"اور یقیناً وہ (حضرت مسیحؑ) قیامت کی نشانی ہے پس تم قیامت کے بارے میں کسی قسم کا شک نہ کرو اور میری اتباع اختیار کرو یہ صراط مستقیم ہے۔"

اب اگر تفسیر کے لئے یہ سوال ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام کس طرح قیامت کی نشانی ہیں؟ اس کے جواب کے لئے آپ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کے نتیجہ اور آیت کے اگلے حصہ یعنی الفاظ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ پر تدبر فرمائیں۔ قرآن کریم اپنے اوّلین مخاطبین کو سب سے پہلے کہہ رہا ہے کہ چونکہ مسیح علم الساعۃ ہے اسلئے (الف) تم وقوعِ قیامت میں شک نہ کرو (ب) تم میری پیروی کرو۔ یہ اسلوب بیان بتلاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کا علم الساعۃ ہونا ایک بدیہی حقیقت ہے جس سے مشرکین بھی انکار نہ کرسکتے تھے۔ اور یہود و نصاریٰ کے لئے تو وہ ایک مشہور واقعہ تھا۔ اسی لئے اس مضمون کو اِنَّ مؤکدہ کے ساتھ جملہ اسمیہ کی صورت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس اسلوب بیان سے دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے علم الساعۃ ہونے کی وجہ سے اب تمام دنیا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپؐ کی پیروی فرض ہے۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کے ظہور ثانی کا کوئی جوڑ نہیں۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کا علم الساعۃ ہونا اس بات پر موقوف ہوتا کہ آپؑ قرب قیامت میں ظہور ثانی فرمائیں گے تو اوّل تو سینکڑوں ہزاروں سال بعد ہونے والا مزعومہ ظہور ثانی نزول قرآن کے وقت کے لوگوں کے لئے ایسی حجت کس طرح ہوسکتا ہے کہ اس پر انہیں نزولِ قرآن کے وقت تاکیداً کہا جاسکے کہ اب قیامت کے وقوع میں ذرا بھر شک نہ کرو۔ دوم اس صورت میں یہ کہنا چاہیئے تھا کہ اس ظہور کے وقت حضرت مسیحؑ کی ضرور پیروی کرنا اور ان کی اتباع کرنا۔ لیکن آیت کریمہ کے لفظ وَاتَّبِعُوْنِ میں حضرت مسیحؑ کی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس عقل سلیم اس بات کے ماننے سے انکار کرتی ہے کہ حضرت مسیحؑ کا علم الساعۃ ہونا بایں معنی ہو کہ

قرب قیامت میں ان کا ظہور ثانی ہوگا۔

ہمارے نزدیک (واللہ اعلم بالصواب) حضرت مسیح علیہ السلام کے علم الساعۃ ہونے کے دو مفہوم ہوسکتے ہیں۔

(۱) الساعۃ سے مراد بنی اسرائیل کی ساعۃ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کی بن باپ پیدائش اور انکا ظہور اس بات کی علامت تھا کہ اب اس عظیم الشان کامل نبی (النبی) کے ظہور کا وقت آن پہنچا ہے۔ اب موسوی شریعت کے نسخ کا اعلان ہونے والا ہے اور اب عنقریب بنی اسرائیل سے آسمانی بادشاہت چھین لی جائے گی اور ایک دوسری قوم کو دی جائے گی۔ سورہ زخرف کی آیت وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اور سورہ الصف کی آیت وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ بھی ایک رنگ میں اسی مفہوم کی طرف رہنمائی کر رہی ہے۔ انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیشگوئی کو باغ کے مالک کی آمد کی خبر کے مشابہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اسلئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت
تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اسکے
پھل لائے دیدی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر
گریگا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر
جس پر وہ گریگا اُسے پیس ڈالے گا" (متی ۲۱/۴۳-۴۴)

پس حضرت مسیح کا وجود بنی اسرائیل کے لئے بنی اسرائیل کی قیامت کا اعلان تھا۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ حضرت مسیح کی بعثت کے بعد یہودی تکذیب و انکار کی وجہ سے جسمانی اور روحانی ہر رنگ میں عذابوں کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ کون ہے جو اس کا انکار کر سکے کہ حضرت مسیح بنی اسرائیل کیلئے قیامت کی نشانی نہ تھے۔ چونکہ حضرت مسیح کی بعثت بنی اسرائیل سے مخصوص ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قرار دیا ہے اسلئے ان کا علم الساعۃ ہونا بھی بنی اسرائیل سے مخصوص ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تفسیر نہایت واضح اور الفاظ کے ظاہر و باطن سے پوری مطابقت رکھتی ہے۔

(۲) حضرت مسیحؑ کے علم الساعۃ ہونے کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی بے باپ پیدائش خدا تعالیٰ کی قدرت پر ایک دلیل ہے۔ جو لوگ قیامت کبریٰ کا اسلئے انکار کرتے ہیں کہ مُردوں کو زندہ کس طرح کیا جا سکتا ہے ان کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اپنی قدرت سے بطور نمونہ حضرت مسیح کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا ہے۔ یہ نفس پیدائش اس امر پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو قائم کریگا اور وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کو کسی مفہوم سے علم الساعۃ مان لیا جائے (مفہوم اول کو ترجیح حاصل ہے) بہرحال اس کا نتیجہ یہی ہے کہ قیامت برحق ہے اور نزول قرآن کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دور شروع ہے اور آپؐ کے بغیر ہر جگہ تاریکی ہے۔ نجات کا دروازہ انہی پر کھلتا ہے جو آپؐ پر ایمان لاتے اور آپؐ کی سچی پیروی کرتے ہیں۔ یہی صراط مستقیم ہے۔

یتیم پوتے کے ورثہ کا مسئلہ

اس موضوع پر الفرقان کی گزشتہ اشاعت میں چار مضمون شائع ہو چکے ہیں۔ دو یتیم پوتے کے وارث قرار دینے کے حق میں ہیں اور دو اسکے خلاف۔ ابھی یہ مضمون تشنۂ تکمیل و تحقیق ہے آپ سے بھی درخواست ہے کہ آپ بھی اس بارے میں اپنے خیالات سے مستفید فرمائیں۔ زیادہ لمبے مضمون کی بجائے آپ مختصر طور پر بھی اپنی رائے کا اظہار فرما سکتے ہیں۔ موافق و مخالف خیالات کی اشاعت کے بعد انشاء اللہ اس مسئلہ کا علمی و عملی طور پر فیصلہ ہو سکے گا۔ ابھی مزید اہل علم و اہل قلم اصحاب کی آراء اور ان کے خیالات کی انتظار ہے

ایڈیٹر الفرقان۔ ربوہ

اشاعتِ قرآن کیلئے ایک نئی انجمن!

اشاعتِ علوم قرآنی کس طرح ہو سکتی ہے؟

اخبار صدق جدید نے "ایک قرآنی انجمن" کے عنوان سے ذیل کا ایک مراسلہ مع ریمارکس شائع کیا ہے:-

"پاکستان (پنجاب) سے ایک مخلص دیرینہ خادمِ ملت کا مکتوب:-

ہمارے ملک میں علماء دین کا تھوڑا بہت وقار تھا وہ اینٹی قادیانی تحریک کے دوران میں بالکل ختم ہو گیا خصوصاً تحقیقاتی عدالت میں تو ان حضرات نے اپنے مبلغ علم اور فہم و نظر کا جو ثبوت دیا ہے اس کے بعد تو شاید ہی دین کی کچھ قدر و منزلت ہمارے تعلیمیافتہ طبقہ میں باقی رہ جائے۔ اب یہ فرض ہمارے دیندار مغربی تعلیم کے ماہر نوجوانوں کا ہے کہ وہ اسلام کو اس کے اصلی خدوخال میں دنیا سے متعارف کرائیں۔ پنجاب میں ہمارے وزیر اعلیٰ ملک فیروز خاں نون نے ایک جماعت پنجاب ہولی قرآن سوسائٹی کے نام سے قائم کی ہے۔ ایک انگریزی اخبار کا تراشہ اس کے متعلق ملفوف ہے۔ اگر مناسب سمجھیں تو اس کے متعلق صدق میں بھی کچھ تحریر فرمائیں۔

تراشہ سی۔ ایم گزٹ (لاہور) کا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انجمن مذکور جو ایک رجسٹرڈ انجمن ہے اس غرض سے قائم ہوئی ہے کہ قرآن اور علوم قرآنی کی نشر و اشاعت، تصنیف و تالیف و ترجمہ رسالوں اور لیکچروں کے ذریعہ سے کرتی رہے انجمن کو اسلامی فرقوں کی باہمی نزاعات سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اور انجمن قانون سازی اور دوسرے ذریعوں سے مسجدوں اور دوسرے دینی اداروں کے قیام و نظام میں مدد دیتی رہے گی۔ انجمن کی مجلس انتظامی کی ترکیب حسب ذیل ہوئی ہے:-

ملک فیروز خاں نون	صدر
چودھری علی اکبر	نائب صدر
میاں امیر الدین ایم ایل اے	سیکرٹری
شیخ محمد عمر خاں (نیشنل بینک)	خازن
مولانا غلام مرشد۔ چودھری نیاز علی خاں مسز سید مراتب علی شاہ۔ جسٹس ایس اے رحمان	دیگر ارکان انتظامی

چندہ ممبری کا ۱۰۰ سالانہ ہے لائف ممبری کا ۵۰۰ یکمشت اور سرپرستی کا ایک ہزار یکمشت۔

انجمنیں بہترین مقاصد کے ساتھ خدا معلوم کتنی پہلے ہی قائم ہو چکی ہیں، اب بھی ہر روز قائم ہوتی رہتی ہیں اسلئے کسی انجمن کی بھی بغیر ایک عرصہ تک اس کا عملی کام دیکھے ہوئے تائید کر دینے میں ڈر ہی لگا رہتا ہے۔ لیکن بہرحال جو انجمن اشاعتِ قرآن و علوم قرآنی کا مقصد لیکر قائم ہوتی ہے کون ایسا بدبخت مسلمان ہوگا جو اس کے مقصد سے پوری ہمدردی نہ رکھے!"

(صدق ۱۲ر فروری ۱۹۵۶ء)

اسلام کی خدمت اور قرآنی علوم کی اشاعت پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ خود بھی قرآن مجید کو سمجھے، اس پر عمل کرے اور اس کی اشاعت کرے۔ اسلئے مقام خوشی ہے کہ مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ قرآن مجید کی اشاعت کرنا ان کا فرض ہے اور وہ اسکے جدّ و جہد کرنے کے لئے میدان میں آ رہے ہیں۔ مگر اس جگہ نہایت اہم سوال یہ ہے کہ قرآن اور علوم قرآنی کی اشاعت کے لئے کون سے ذرائع اختیار کئے جا رہے ہیں۔ (باقی صفحہ ۲۶ پر)

قرآن مجید اور اشتراکیت

اسلامی معاشرہ کے لئے قرآنی اصول

(از قلم جناب چودھری محمد الدین صاحب پلیڈر گجرات)

دُنیا میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں اور ان کا حقیقی مالک خدا ہی ہے۔

جمادات جن میں سونا چاندی لوہا اور انواع و اقسام کے پتھر اور دیگر قیمتی معدنیات شامل ہیں زمین پر ملی ہوئی ہوتی ہیں انسان اپنی عقل سمجھ اور محنت سے ان کو زمین سے علیحدہ کر کے اپنے کام میں لاتا ہے۔

نباتات جن میں درخت، زرعی اشیاء، جڑی بوٹی اور دیگر روئیدگیاں شامل ہیں قدرت خدا وندی سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے بیج انسان کی پیدائش سے پہلے موجود ہوتے ہیں جن کو وہ اپنی عقل اور حکمت سے مناسب جگہ پر بوکر اور ان پر اپنا وقت اور طاقت صرف کر کے مستفید ہوتا ہے۔

حیوانات کی نسل پیدائش انسان سے پیشتر زمین پر موجود ہوتی ہے۔ انسان اپنی دانش اور تجسس سے اس کو ترقی دیتا ہے اور اس کی پرورش میں اپنا وقت اور قویٰ استعمال کرتا ہے اور پھر اس سے متمتع ہوتا ہے۔

زمین بھی انسان کے دُنیا میں آنے سے پہلے موجود ہوتی ہے، انسان اس کو ہموار کرتا ہے، اس کو قابلِ کاشت بنانے کے لئے درخت جو اس کی ترقی زراعت میں مانع ہوتے ہیں کاٹتا ہے، آبپاشی کے لئے کنوئیں نہریں وغیرہ بناتا ہے، ضروری آلات لگاتا ہے اور کافی محنت و زر خرچ کر کے اُس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

اُوپر کی جملہ اشیاء پر انسان جو محنت و ہنر اور زر صرف کرتا ہے وہی ان کی قیمت ہوتی ہے جس کا وہ مالک ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر انسان کی ملکیت اس کی محنت اور ہمت کا نتیجہ ہوتی ہے ورنہ دراصل ہر چیز کا مالک خدا تعالیٰ ہی ہے۔

(۱) اِنَّمَا اَمرُہٗ اِذَا اَرَادَ — (۱) جب خدا کسی چیز کے پیدا
شَیئًا اَن یَّقُولَ لَہٗ — کرنے کا ارادہ کرتا ہے
کُن فَیَکُونُ فَسُبحٰنَ — تو وہ حکم دیتا ہے کہ ہوجا
الَّذِی بِیَدِہٖ مَلَکُوتُ — پھر وہ ہوجاتی ہے۔ اس
کُلِّ شَیءٍ وَّاِلَیہِ — خدا کی ذات (ہر عیب
تُرجَعُونَ۔ ($\frac{۳۶}{۸۴}$) — اور نقص سے) پاک ہے
ہر چیز کی ملکیت اسکے
ہاتھ میں ہے۔ اے لوگو
تم اسی کی طرف لوٹائے
جاؤ گے۔

(۲) اَوَلَم یَرَوا اَنَّا خَلَقنَا — (۲) کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں
لَہُم مِّمَّا عَمِلَت — کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کے
اَیدِینَا اَنعَامًا فَہُم — عمل سے ان کیلئے چارپائے
لَہَا مٰلِکُونَ۔ وَ — پیدا کئے جن کے یہ مالک
ذَلَّلنٰہَا لَہُم فَمِنہَا — بن جاتے ہیں۔ ہم نے ہی ان

ذَلَّلْنٰھَا لَھُمْ فَمِنْھَا رَکُوبُھُمْ وَمِنْھَا یَاکُلُوْنَ (۳۶/۷۲)	چارپائے ان کے مطیع کر دیئے ہیں۔ پس ان میں سے بعضوں پر یہ سوار ہوتے ہیں اور بعضوں کو کھاتے ہیں۔
(۳) لیس للانسان الّا ما سعیٰ (۵۳/۴۰)	(۳) انسان کو جو کچھ ملتا ہے وہ اس کی کوشش اور محنت کا ثمرہ ہوتا ہے۔

خدا کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ جو اس کے حکموں پر چلتے ہیں ان کو معاوضۂ محنت و ہنر کے علاوہ وہ اپنے فضل سے بطور انعام کے زیادہ بھی دیتا ہے۔

(۱) مَن یعمل مثقال ذرّۃٍ خیراً یرہٗ و من یعمل مثقال ذرّۃٍ شرًّا یرہٗ (۹۹/۸)	(۱) جو ذرہ بھر نیکی کریگا اس کا ثمرہ اس کو ملیگا اور جو ذرہ بھر برائی کریگا اس کا نتیجہ اس کو بھگتنا پڑیگا۔
(۲) الیوم تجزیٰ کلّ نفسٍ بما کسبت لا ظلم الیوم (۴۰/۱۷)	(۲) اس دن ہر ایک شخص نے جو کچھ کمایا ہوگا اس کا معاوضہ اس کو ملے گا اور اس دن کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا۔
(۳) فامّا الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت فیوفیھم اجورھم ویزیدھم من فضلہ۔ (۴/۱۷۳)	(۳) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ایسے اچھے عمل کئے جن سے دنیا کی اصلاح ہوتی ہے۔ خدا ان کے اعمال کا بدلہ بھی ان کو دیگا اور اپنے فضل سے ان کو زیادہ بھی عطا کرے گا۔
(۴) انّ اللہ لایضیع اجر المؤمنین (۳/۱۷۱)	(۴) خدا ایمان لانے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

چونکہ انسانی قویٰ متفاوت ہوتے ہیں اس لئے ان کے استعمال کے نتیجہ کے طور پر بعض آدمی زیادہ کما سکتے ہیں بعض کم۔ اور بعض بالکل نہیں کما سکتے۔ بدیں وجہ کہ وہ اپنے قویٰ کو کام میں نہیں لاتے یا وہ کمانے والے قویٰ سے محروم ہوتے ہیں۔ پس انسانوں کے تین طبقے قدرتاً بن جاتے ہیں۔

(۱) دولت مند (۲) متوسط (۳) غریب۔

ہر شخص کا حق ہے کہ وہ اپنی دماغی اور جسمانی طاقت کے استعمال سے زیادہ روپیہ کما کر متمول بن جائے۔ اسکی کمائی پر ناجائز دست اندازی عقلاً و اخلاقاً جائز نہیں ہے۔ البتہ گورنمنٹ جو امن قائم رکھنے کے لئے یا ملکی انتظام کے لئے کوئی ٹیکس لگائے تو وہ اس وجہ سے جائز ہوتا ہے کہ کمانے والے کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے اور بدوں امن اور ملکی انتظام کے کوئی شخص کچھ کما نہیں سکتا لیکن اگر گورنمنٹ کوئی ایسا قانون بنائے جس کے ذریعہ سے بیکاروں کو دولت مندوں کی پیدا کی ہوئی جائداد مفت مل جائے یا مزدوروں کو جو بسبب ان پڑھ اور بے ہنر ہونے کے زیادہ نہیں کما سکتے مساوات قائم کرنے کے لئے دولت مندوں کی کمائی کا کچھ حصہ زبردستی دلایا جائے تو ایسا قانون عقلاً، مذہباً اور اخلاقاً جائز نہیں ہوتا۔

چونکہ مال و دولت انسانوں کی متفاوت کمائی کا نتیجہ ہوتا ہے اسلئے خدا تعالیٰ نے خاص طور پر ہدایت فرمائی ہے کہ دوسروں کی زیادہ کمائی کی تمنا نہ کرو۔

(۱) ولا تتمنّوا ما فضّل اللہ بہٖ بعضکم علیٰ بعضٍ للرجال نصیبٌ ممّا اکتسبوا و للنساء نصیبٌ ممّا اکتسبن (۴/۳۲)	(۱) خدا نے تم میں سے بعض کو بعض سے اپنے فضل سے جو کچھ زیادہ عطا کیا ہے اس کی تمنا مت کرو۔ مرد جو کچھ کماتے ہیں وہ انکو ملتا ہے اور عورتیں جو کچھ

جو کچھ کماتی ہیں وہ اُن
کو رزق ملتا ہے

رزق (روزی) خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے جس کو چاہتا ہے زیادہ دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے۔ یعنی کسی کو زیادہ کمانے کا موقع دیتا ہے اور کسی کو کم کمانے کا۔ اگر سب آدمی برابر ہو جائیں اور کوئی کسی کے ماتحت اور زیردست نہ رہے تو دُنیا کا کاروبار نہ چل سکے۔

(۱) انّ ربّك يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر انّه كان بعباده خبيراً بصيراً (١٧/٣٠)

(۱) تیرا رب جس کی روزی چاہتا ہے کھلی کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں کا دیکھنے والا اور اُن کی خبر رکھنے والا ہے۔

(۲) أهم يقسمون رحمة ربّك نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحيوة الدنيا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجاتٍ ليتّخذ بعضهم بعضاً سخرياً۔ (٤٣/٣٢)

(۲) کیا یہ لوگ خدا کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں۔ اس قریب کی زندگی میں ہم نے ہی ان کے مابین زندگی کا سامان تقسیم کر دیا ہے اور درجات کے لحاظ سے بعض کو بعض پر فوقیت دی دی ہے تاکہ ان میں سے بعض بعض کو اپنا مطیع اور مسخر بنا سکیں۔

جو لوگ کما کر دولت مند ہو جاتے ہیں وہ فطرۃً نہیں چاہتے کہ اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی اپنے نوکروں اور زیردستوں کو دیکر اُن کو اپنے برابر بنا دیں۔ جو شخص ترقی کرتا ہے اس کا منشا یہی ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے بڑھ کر عزّ و جاہ حاصل کرے اور اپنی زندگی کے دن آرام و آسائش سے گزارے۔

(۱) والله فضّل بعضكم على بعضٍ في الرزق فما الذين فُضّلوا برآدّي رزقهم على ما ملكت ايمانهم فهم فيه سوآء افبنعمة الله يجحدون۔ (١٦/٧١)

(۱) ہم نے روزی میں تم میں کو بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے جن کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے زیردستوں کو دیکر اپنے برابر کو نہیں کرتے۔ کیا یہ لوگ خدا کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟

خدا تعالیٰ اعمال کے لحاظ سے درجات عطا کرتا ہے۔ اگر کسی نے پوری ہمت اور کوشش سے کوئی عمل کیا ہے تو اُس عمل کی وجہ سے اُس کو ایک درجہ ضرور ملتا ہے جو کاہل اور سست کو نہیں مل سکتا۔

(۱) هُم درجاتٌ عند الله والله بصيرٌ بما يعملون (٣/١٦٣)

(۱) خدا کے نزدیک لوگوں کے درجات مقرر ہیں اور وہ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے یعنی اعمال کی وجہ سے انکو درجات ملتے ہیں۔

(۲) ولكُلٍّ درجات ممّا عملوا وما ربّك بغافلٍ عمّا يعملون۔ (٦/١٣٢)

(۲) اور ہر ایک کے لئے اعمال کی وجہ سے درجات ہیں اور تیرا رب لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

(۳) ورفع بعضكم فوق بعضٍ درجات ليبلوكم في ما آتٰكم (٦/١٦٥)

(۳) (خدا تعالیٰ نے) تم میں سے بعض کو بعض پر بلحاظ درجات کے فضیلت دی تاکہ جو کچھ اس نے تم کو دیا ہے اس میں تم کو آزمائے۔

اعضاء و جوارح انسانی میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دی گئی ہے۔ دل و دماغ باقی اعضاء پر حکمرانی کرتے ہیں۔ جو

لوگ دماغی اور قلبی طاقتوں کو بذریعہ تعلیم و تربیت ترقی دیتے ہیں وہ دوسروں پر حکمران ہوتے ہیں اور علم و حکمت کی وجہ سے دولت اور اقتدار حاصل کر لیتے ہیں۔

قدرتی بات ہے کہ جو تعلیم و تربیت حاصل نہیں کرتے اور جسمانی طاقت کو اپنا ذریعہ معاش بناتے ہیں وہ صرف اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکتے ہیں، اور مال زر جمع نہیں کر سکتے۔

(۱) ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ (۲/۲۶۹)
(۱) جس کو حکمت یعنی علم و دانش دیا جائے اسکو مال کثیر دیا جاتا ہے۔

(۲) لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ (۵۳/۳۹)
(۲) انسان کو اپنی کوشش کا ثمرہ ہی ملتا ہے۔

(۳) ان سعیکم لشتیٰ۔ (۹۲/۴)
(۳) (اے انسان) تمہاری کوششیں یکساں نہیں ہیں مختلف ہیں۔

حکمت اور دانش حاصل کرنے والوں کی حیثیت بھی یکساں نہیں ہوتی بعض کو بعض پر ترجیح حاصل ہے کیونکہ دماغی طاقتیں تمام انسانوں کی برابر نہیں ہوتیں۔ اسلئے بعض دانشمند زیادہ کما سکتے ہیں اور بعض کم۔ یہی حال جسمانی طاقتوں سے کام لینے والوں کا ہے۔

(۱) وفوق کل ذی علم علیم۔ (۱۲/۷۶)
(۱) ہر عالم سے بڑا دوسرا عالم ہے۔

(۲) انظر کیف فضلنا بعضھم علیٰ بعض (۱۷/۲۱)
(۲) دیکھ کس طرح ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

عام قانون خداوندی تو یہی ہے کہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے اس کی کوشش کا ہی نتیجہ ہے مگر کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ ایک غریب اور نادار شخص اپنے کسی قریبی رشتہ دار متمول کی جائداد کا وارث ہو کر مالا مال ہو جاتا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب نے قانون وراثت مدون کیا ہے جس کی رو سے متوفی کی جائداد قریبی اور بعیدی رشتہ داروں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اگرچہ بعض مذاہب میں رشتہ داروں کی ترتیب وراثت اور حصص وراثت میں تفاوت ہے۔ لیکن استحقاق وراثت کو سب نے تسلیم کیا ہے۔ اسلامی قانون وراثت معقول اور مدلل ہے جس نے عورت کا سب سے زیادہ لحاظ رکھا ہے اور جسمانی قوتوں اور حالاتی تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو کچھ اس کا ملنا چاہیئے بے دریغ دلایا گیا ہے۔

قانون وراثت اسلامی نے اس اصول کو مدنظر رکھا ہے کہ جو اشخاص متوفی کو زیادہ تر فائدہ پہنچانے والے ہوں ان کا حق دوسروں پر مقدم رکھا [illegible] کو فائدہ پہنچانے یا خدمات کا معاوضہ حاصل کرتے ہیں۔

(۱) للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر نصیباً مفروضاً۔ (۴/۷)
(۱) جو کچھ والدین اور قریبی رشتہ دار تھوڑا یا بہت چھوڑ مریں اس میں مرد وارثوں اور عورت وارثوں کے لئے ایک حصہ مقرر ہے۔

(۲) لا تدرون ایھم اقرب لکم نفعاً۔ فریضۃً من اللہ (۴/۱۱)
(۲) تم نہیں جانتے کہ ان ورثا میں بلحاظ فائدہ رسانی کے کون تمہارے سے زیادہ قریب ہے حصہ مقرر کردہ خدا تعالیٰ کا ہے۔

قرآن کریم نے نبوت کے زیر سایہ ملوکیت کو انعام و فضل الٰہی قرار دیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروؤں کو خدا تعالیٰ نے عظیم الشان بادشاہی عطا کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی بنی اسرائیل میں نبی بھی بنائے اور بادشاہ

بھی ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو عظیم المرتبت بادشاہ بنایا اور پھر ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسی زبردست بادشاہی بخشی جس کی نظیر دُنیا میں نہیں ملتی لیکن بادشاہ کا عالم ہونا ضروری ہے ۔ کیونکہ انتظامِ سلطنت بغیر علم کے نہیں ہو سکتا ۔ اہلِ اسلام کو بھی خدا تعالےٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق پہلے انبیاء کے پیروؤں کی طرح سلطنت اور خلافت عطاء کی ۔ یہ بھی صریح طور پر ہدایت کی گئی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے جن لوگوں کو نوازا ہو ان کا حسد نہیں کرنا چاہیئے اور ان کے مال و دولت کو چھیننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے ۔

(۱) امر یحسدون الناس علیٰ ما اٰتٰھم اللہ من فضلہٖ فقد اٰتینا اٰل ابراھیم الکتٰب والحکمۃ واٰتینٰھم ملکاً عظیما ۔ (۴/۵۴)

(۱) کیا یہ لوگ اس نعمت کی نسبت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے لوگوں کو عطاء کی ہے حسد کرتے ہیں اور بے شک ہم نے ابراہیم کے پیروؤں کو کتاب اور دانش اور عظیم الشان بادشاہی دی ۔

(۲) واذ قال موسٰی لقومہٖ یا قومِ اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکاً واٰتٰکم ما لم یؤتِ احداً من العٰلمین ۔ (۵/۲۱)

(۲) اس وقت کو یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم خدا تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جبکہ اس نے تم میں انبیاء مبعوث کئے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو اہلِ دنیا میں سے کسی کو نہیں دیا گیا تھا ۔

(۳) قال لھم نبیّھم ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکاً قالوا انّٰی یکون لہ الملک علینا ونحن احق بالملک منہ ولم یؤت سعۃً من المال قال ان اللہ اصطفٰہ علیکم وزادہٗ بسطۃ فی العلم والجسم واللہ یؤتی ملکہٗ من یشاء ۔ (۲/۲۴۸)

(۳) (بنی اسرائیل کے سرداروں کو) ان کے نبی نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ بنایا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ وہ ہمارا بادشاہ کیونکر ہو سکتا ہے ہم بادشاہی کے اس سے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ زیادہ مالدار نہیں ہے نبی نے کہا کہ خدا نے اس کو تمہارے لئے منتخب کیا ہے کیونکہ اس کو زیادہ علم اور زیادہ قوتِ جسمانی دی گئی ہے ۔ خدا جس کو چاہتا ہے بادشاہی دیتا ہے ۔

(۴) وقتل داؤد جالوت واٰتٰہ اللہ الملک والحکمۃ وعلّمہٗ ممّا یشاء (۲/۲۵۲)

(۴) اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا اور اس کو (داؤد کو) اللہ تعالےٰ نے بادشاہی اور علم و دانش عطاء کی اور جو چاہا اس کو سکھایا ۔

(۵) ولقد اٰتینا داؤد وسلیمان علماً وقالا الحمد للہ الذی فضّلنا علیٰ کثیر من عبادہ المؤمنین وورث سلیمان داؤد وقال یاایّھا الناس علّمنا منطق الطیر واوتینا من کل شیءٍ ۔ (۲۷/۱۶)

(۵) ضرور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا اور انہوں نے کہا تمام تعریفیں خدا کو سزاوار ہیں جس نے اپنے مومن بندوں میں سے بہتوں پر ہم کو فضیلت دی اور سلیمان داؤد کا وارث ہوا اور اس نے کہا اے لوگو! ہم کو پرندوں کی منطق یعنی علم سکھایا گیا

ہے اور ہم کو ہر ایک چیز دی گئی ہے۔

(٦) ربّ اغفرلی وھب (٦) (سلیمان نے دُعا کی کہ)

لی ملکاً لاینبغی	اے میرے رب مجھے ایسی
لاحد من بعدی۔	بادشاہت عطا کر جو کہ
(۳۸/۲۴)	میرے بعد کسی کو میسر
	نہ ہو۔

(٧) وعد اللہ الّذین (٧) مسلمانو! تم میں سے جو

اٰمنوا منکم و	ایمان لائے اور اعمال
عملوا الصّٰلحٰت	صالحہ بجا لائے حق تعالیٰ
لیستخلفنّھم	کا یہ وعدہ ہے کہ ان کو
فی الارض کما	زمین میں اسی طرح خلیفہ
استخلف الّذین	بنائے گا جس طرح اس
من قبلھم ولیمکننّ	نے ان لوگوں کو بنایا جو
لھم دینھم الّذی	ان سے پہلے گزر چکے ہیں
ارتضیٰ لھم و	اور ان کے اس دین کو
لیبدّلنّھم من بعد	مستحکم کرے گا جو اُن
خوفھم امناً (۲۴/۵۴)	کے لئے اُس نے پسند
	کیا۔ اور ان کے خوف
	کو امن سے تبدیل کردیگا۔

اسلام کے ظہور سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں خصوصاً وہ اقوام جو اپنے وقت کے انبیاء کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ زمینوں کی مالک تھیں اور ان کو اندیشہ تھا کہ انبیاء کی جماعت ترقی کرکے ایک جدید معاشرہ برپا نہ کر دیں جس سے ان کو اپنی مملوکہ اراضیات سے دست بردار ہونا پڑے۔ اسلئے وہ انبیاء کی قلیل جماعت کو اپنے ملک سے باہر نکالنے کی کوشش کرتی رہیں مگر قہار خداوندی قدیم سنّت کے مطابق آخر اُن کو اپنی زمینیں چھوڑنی پڑیں۔ جن کی وارث اور مالک انبیاء کی مظلوم جماعتیں ہوگئیں۔

اسلئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن ملکیتِ اراضی کے مفہوم کے خلاف ہے۔ بڑے بڑے کارخانے جن میں کوہ پیکر مشینیں، آہنی آلات اور بجلی کے سامانوں سے آراستہ اور پیراستہ ہوکر کام کر رہی ہیں سرمایہ داروں کی ملکیت ہوتے ہیں جن پر کروڑوں روپے جو گاڑھے پسینہ کی کمائی سے حاصل ہوتے ہیں خرچ ہو جاتے ہیں۔ ان گرانبہا کارخانوں کو کاریگر، مستری، انجینئر اور مزدور چلاتے ہیں جو مالکان کارخانہ جات سے تنخواہ یا مزدوری لیتے ہیں۔ ایک کارخانہ کے وجود میں آنے سے ہزاروں نادار اور محتاج افراد کو پیٹ بھر کر روٹی کمانے کا موقع مل جاتا ہے اور دکانداروں کو بھی طبعاً فائدہ پہنچتا ہے۔ یہی حال ہیلدا باغات اور آباد زرعی اراضیات کا ہے۔ اگر کارخانہ جات کے مالک اسلئے مالک ہوتے ہیں کہ وہ ان پر اپنی محنت اور ہُنر سے کمایا ہوا روپیہ لگاتے ہیں تو زمین کے مالک کیوں مالک تصوّر نہ کئے جائیں جو اس کی آبادی اور قابل کاشت بنانے کے لئے کنوئیں اور ٹیوب ویل اور ضروری عمارات بناتے اور ٹریکٹروں اور دیگر آلاتِ کشاورزی پر اپنا کمایا ہوا روپیہ صرف کرتے ہیں۔ کوئی ایسا قانون قانونِ خداوندی نہیں کہلا سکتا جو کسی کی محنت اور زر و ہُنر کو ضائع کرنے کا باعث ہو اور جس سے انسانی ترقی کو بالآخر زوال ہو۔

(١) قال الّذین کفروا (١) رسولوں کے منکرین نے

لرسلھم لنخرجنّکم	اپنے وقت کے رسولوں
من ارضنا او	کو کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین
لتعودنّ فی ملّتنا	سے نکال دیں گے یا پھر
فاوحیٰ الیھم ربّھم	تم کو ہمارے مذہب کی
لنھلکنّ الظّٰلمین	طرف واپس لوٹنا ہوگا
ولنسکننّکم	رسولوں کی طرف خدا
الارض من بعدھم (۱۴/۱۳)	نے وحی بھیجی کہ ہم ان

ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے اور ان کے ہلاک ہونے کے بعد تم کو اُن کی زمین پر لا بسائیں گے۔

(۲) قال الملأُ من قوم فرعون انّ هٰذا لساحرٌ علیمٌ یرید ان یخرجکم من ارضکم (۷/۱۰۹)

(۲) فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا یہ (موسیٰ) بڑا عالم ساحر ہے اس کا ارادہ ہے کہ تم کو تمہاری زمین سے نکال دے۔

(۳) کم ترکوا من جنّتٍ وعیون وزروع ومقام کریم ونعمة کانوا فیها فاکهین کذٰلك واورثنٰها قوماً اٰخرین (۴۴/۲۸)

(۳) (قوم فرعون نے) کتنے ہی باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور عزت کے مقام اور نعمتیں چھوڑیں جن میں وہ خوش و خرم تھے اور ان چیزوں کا وارث ہم نے دوسری قوم کو بنا دیا۔

(۴) وانزل الّذین ظاهروهم من اهل الکتٰب من صیاصیهم وقذف فی قلوبهم الرعب فریقاً تقتلون وتاسرون فریقاً واورثکم ارضهم ودیارهم واموالهم وارضاً لم تطؤها (۳۳/۲۶-۲۷)

(۴) اہل کتاب میں سے جنہوں نے ان کی امداد کی خدا نے ان کو ان کے قلعوں سے باہر نکالا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا (مسلمانو!) تم ان میں سے ایک گروہ کو قتل کر رہے تھے اور ایک گروہ کو قید کر رہے تھے اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو خدا تعالیٰ نے وارث بنایا۔ اور ایک ایسی زمین کا تم کو وارث بنایا جس پر تم نے گام فرسائی نہیں کی تھی۔

(۵) وقالوا ان نتبع الهدیٰ معك نتخطف من ارضنا اولم نمکن لهم حرماً اٰمناً یجبیٰ الیه ثمرات کل شیءٍ رزقاً من لدنّا ولکنّ اکثرهم لا یعلمون (۲۸/۵۷)

(۵) اہل مکہ میں سے بعض نے کہا (اے محمدؐ) اگر ہم تیرے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنی زمین سے بے دخل کر دیئے جائیں گے۔ کیا ہم نے امن دینے والے حرم میں ان کو جگہ نہیں دی جس کی طرف ہماری جانب سے بطور روزی کے ہر ایک چیز کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

قرآن مجید اجازت دیتا ہے کہ کوئی فرد بشر جائز وسیلوں سے جسمانی اور دماغی قویٰ کو استعمال کرکے جتنا چاہے روپیہ کمائے اور جتنی چاہے جائداد پیدا کرے ایسا پیشہ جس میں قویٰ کو استعمال نہ کیا جائے اور جس میں گھر بیٹھے بہت سا زر و مال جمع ہو جاتا ہے ممنوع قرار دیا ہے۔ مثلاً سود خوری، رشوت ستانی۔ اسی طرح چوری، راہزنی، ڈکیتی، دغابازی کی صریح طور پر ممانعت کی گئی ہے جس سے دوسروں کی محنت سے کمائی ہوئی پونجی ضائع کرکے اُن کو محتاج کر دیا جاتا ہے۔ اگر حکام وقت

کوئی ایسی تجویز کریں جس سے ایک طبقہ رعایا کی کمائی ہوئی جائداد چھین کر ناداروں کو دی جائے تو یہ بھی ایک مہذبانہ ڈاکہ زنی ہے۔

(۱) احل اللّٰہ البیع وحرم الربٰوا (۲/۲۷۶)

(۱) خدا نے تجارت کو جائز قرار دیا ہے اور سُود کو حرام۔

(۲) ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوا بھا الی الحکام لتأکلوا فریقًا من اموال الناس بالاثم و انتم تعلمون (۲/۱۸۴)

(۲) اور ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طریق سے مت کھاؤ اور نہ مال کو حکام تک بطور رشوت کے پہنچاؤ تاکہ تم دیدہ و دانستہ گناہ کا ارتکاب کرکے لوگوں کے مال کا کچھ حصہ کھا جاؤ۔

(۳) السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاءً بما کسبا نکالًا من اللّٰہ (۵/۴۲)

(۳) چوری پیشہ مرد اور چوری پیشہ عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کے کئے کی سزا اور خدا کی طرف سے عذاب ہے۔

ہر ملک میں ایسے آدمی بھی پائے جاتے ہیں جو قویٰ کی فطری کمزوری اور نقص جسمانی کی وجہ سے کچھ کما نہیں سکتے اور ان کی زندگی کا انحصار دوسروں کی کمائی پر ہوتا ہے۔ مثلاً اندھے لُولے اپاہج مفلوج دائم المریض، یتیم اور مسکین و بے بس جن کی پرورش کرنے والا کوئی نہ ہو اور نہ وہ کسی جائداد کے مالک ہوں جس کی آمدنی پر گذارہ کر سکیں ایسے لوگوں کی قدرتی سرپرست وہ جبلّی ہمدردی اور مواسات ہے جو انسانی فطرت میں بنی نوع انسان کیلئے رکھی گئی ہے جو ہمیشہ اس کو طبعاً ایسے محتاجوں کی امداد اور دستگیری پر آمادہ کرتی رہتی ہے اور نتیجۃً اس کو ثواب اُخروی کا مستحق بناتی ہے۔

سعدیؒ نے انسانی فطرت کا کیا عجیب نقشہ کھینچا ہے[۵]

بنی آدم اعضائے یکدیگرند
کہ در آفرینش زیک جوہرند

بنی آدم ایک دوسرے کے اعضاء و جوارح ہیں کیونکہ ان کی پیدائش ایک ہی جوہر سے ہے۔

چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

جب زمانہ کسی ایک عضو کو تکلیف درد دُکھ میں مبتلا کرتا ہے تو دوسرے اعضاء بھی بیقرار ہو جاتے ہیں۔

درماندوں اور محتاجوں کی امداد کے لئے قرآن کریم نے زکوٰۃ کی بار بار تاکید کی ہے اور آسودہ حال افراد کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دلائی ہے اور جو باوجود استطاعت رکھنے کے ناداروں کی دستگیری نہیں کرتے ان کو جہنم کی وعید دی ہے۔

(۱) اِنّما الصّدقاتُ للفقراء والمسٰکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب و الغارمین وفی سبیل اللّٰہ وابن السّبیل فریضۃً مِن اللّٰہِ۔ (۹/۶۱)

(۱) صدقات محتاجوں، بے بسوں کے لئے، ان صدقات کی تقسیم اور انتظام کے کارکنوں کے لئے، جن کی تالیف قلوب مطلوب ہو اُن کے لئے، گردنوں کے چھوڑانے کے لئے، قرض داروں کے قرضوں کی ادائیگی کے لئے، خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے اور مسافروں کیلئے خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔

(۲) يقول اهلكت (۲) انسان کہتا ہے کہ میں

مالاً لبداً ایحسب	نے بہت سا مال خرچ
ان لم یرہ احد۔	کیا ہے۔ کیا وہ خیال
الم نجعل لہ	کرتا ہے کہ کوئی اسکو
عینین ولساناً و	دیکھتا نہیں ہے۔ کیا ہم
شفتین وھدینہ	نے اس کے لئے دو
النجدین فلا اقتحم	آنکھیں اور زبان اور
العقبۃ وما ادراک	دو ہونٹ پیدا نہیں کئے
ما العقبۃ فک	ہم نے اس کو دونوں نجد
رقبۃ او اطعام	راستے (ایک راستہ
فی یوم ذی مسغبۃ	خیر کا اور ایک شر کا)
یتیماً ذا مقربۃ	دکھائے ہیں مگر وہ ایک
او مسکیناً ذا	دشوار گزار راستہ پہ
متربۃ۔ ([illegible])	گامزن نہیں ہوا۔ تجھے
	کیا معلوم ہے کہ وہ
	دشوار گزار راستہ کیا
	ہے۔ وہ راستہ کسی
	گردن کا چھوڑانا یا
	بھوک والے کسی قریبی
	یتیم یا خاک آلود کسی
	مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

(۳) [illegible] عن (۳) دہنے ہاتھ والے بہشت

المجرمین ما	لوگ مجرموں سے پوچھیں گے
سلککم فی سقر	کہ تم کیوں جہنم میں داخل
قالوا لم نک من	ہوئے؟ وہ جواب
المصلین ولم	دیں گے کہ ہم نماز نہیں
نک نطعم المسکین	پڑھا کرتے تھے اور
([illegible])	نادار اور بے بسوں
	کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

(۴) ویطعمون الطعام (۴) جو نیک لوگ ہیں وہ

علی حبہ مسکیناً و	بے بس محتاج اور یتیم
یتیماً و اسیراً۔	اور قیدی کو کھانا کھلاتے
انما نطعمکم لوجہ	ہیں۔ باوجودیکہ وہ خود
اللہ لا نرید منکم	اس کھانے کو اپنے لئے
جزاءً ولا شکوراً۔	پسند کرتے ہیں اور
([illegible])	کہتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ
	کی رضا حاصل کرنے
	کے لئے تم کو کھانا کھلاتے
	ہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے
	کہ تم ہم کو اس کا کوئی
	معاوضہ دو اور نہ
	کسی شکریہ کے
	خواہشمند ہیں۔

(۵) یاایھا الذین (۵) اے ایمان لانیوالو!

امنوا لا تبطلوا	اپنے صدقات اور خیرات
صدقاتکم بالمن	کو احسان جتا کر اور دکھ
والاذی ([illegible])	دیکر ضائع مت کرو۔

حوالجات قرآنی مندرجہ بالا سے مندرجہ ذیل امور صراحتاً ثابت ہوتے ہیں:۔

(۱) درحقیقت ہر ایک چیز کا مالک اور رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے اپنی مخلوقات پر قدرت کی طاقت انسان کو دی ہے اور وہ اس کی دی ہوئی طاقت کو کام میں لا کر صرف اپنی کوشش اور سعی کے نتیجہ میں ان کا مالک بن جاتا ہے اور یہ ملکیت کسی خاص حد تک محدود نہیں ہے کیونکہ جو کوشش اور جدوجہد کو کام میں لاتا ہے مالک بن جاتا ہے اور کسی کو اس کی کوشش کے ثمرات سے محروم کر دینا ظلم ہے۔

(۲) قانونِ خداوندی کے مطابق ہر شخص کو اپنی محنت کا ثمرہ ضرور ملتا ہے بلکہ خدا تو اپنے نیک بندوں کو زیادہ بھی دیدیتا ہے۔

(۳) خدا تعالیٰ نے اگر کسی بندے کو اس کی جدوجہد کے نتیجہ میں زیادہ دولت و مال دیا ہو تو دوسروں کو اس کی ثروت پر حسد نہیں کرنا چاہیے۔ وہ اسکی محنت کو ضائع کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے اور ناجائز وسائل سے اس کا مال چھیننا نہیں چاہیے بلکہ خود خدا تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں کو کام میں لا کر دولت کمانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(۴) رزق خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے کسی کو زیادہ دے کر اغنیت دیتا ہے اور اس کو مالکانہ تصرف دیتا ہے اور کسی کو کم دیکر محکوم کر دیتا ہے اور دنیا کا سلسلہ چلانے کے لئے یہ ضروری ہے کیونکہ اگر کوئی کسی کا محتاج نہ رہے تو سب کاروبار بند ہو جاتے ہیں۔

(۵) انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی کمائی ہوئی دولت اپنے ماتحتوں اور زیردستوں کو دے کر ان کو اپنے برابر ہونے کا موقع نہیں دیتا اور نہیں چاہتا کہ اس کی شان اقتدار میں فرق واقع ہو۔

(۶) بلحاظ قوائے اندرونی و بیرونی تمام انسان یکساں نہیں بنائے گئے بعض کو بعض پر درجہ بدرجہ فوقیت دی گئی ہے اور یہ فوقیت ان کو اپنے اعمال کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے اور چونکہ اعمال بھی یکساں نہیں ہوتے اسلئے اعمال کے نتائج بھی مختلف ہوتے ہیں۔

(۷) سب سے زیادہ مال اُس شخص کے حصہ میں آتا ہے جو دانش و بینش کے زیور سے مزین ہو۔ یونہی کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں سب سے زیادہ دانش مند ہوں۔ مگر جو کچھ انسان کو ملتا ہے اُس کی کوشش اور سعی کا ثمرہ ہوتا ہے۔

(۸) قرآن کریم نے متوفی کے رشتہ داروں اور اقرباء کو اس کی متروکہ جائداد سے حصہ دلایا ہے اور حکومتِ وقت کو اختیار نہیں دیا گیا کہ وارثوں کو محروم کر کے متروکہ جائداد پر قابض ہو جائے۔

(۹) قرآن مجید ملوکیت اور سلطنت کے بھی خلاف نہیں ہے جو عدل و انصاف کی حامل ہو۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے بعض انبیاء کو بادشاہ بنایا ہے۔

(۱۰) مسلمانوں کو بھی اُس خلافت کا وعدہ دیا گیا ہے جو پہلوں کو دی گئی تھی۔

(۱۱) اگلے انبیاء کے وقت بھی لوگ زمینوں کے مالک تھے، ان کی جگہ خدا تعالیٰ نے انبیاء کے متبعین کو اُن زمینوں کا مالک بنا دیا۔ اسلئے یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید ملکیتِ اراضی کے خلاف نہیں ہے اور جس طرح دیگر اشیاء کا مالک ہو سکتا ہے اسی طرح زمین کا بھی مالک ہو سکتا ہے۔

(۱۲) قرآن مجید چوری اور غارت گری کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے لئے اس نے سخت سزا مقرر کی ہے۔ غریبوں کو دینے کے لئے کسی کی جائداد چھیننا غارت گری ہے۔

(۱۳) غریبوں کے فائدہ کے لئے خدا تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے اور ان کی امداد کیلئے صدقہ و خیرات کی تاکید اکید کی ہے۔

اشتراکی حکومت کا یہ اصول ہے کہ عالم اور جاہل، فلاسفر اور اَن پڑھ، کاریگر اور مزدور سب اپنی اپنی کمائی خزانہ حکومت میں داخل کریں اور روٹی کپڑا اور

رہنے کے لئے مکان حکومت سے حاصل کریں۔ صاف ظاہر ہے کہ عالم اور کاریگر اپنی حکمت اور صنعت سے زیادہ کما سکتے ہیں بہ نسبت مزدوری پیشہ اَن پڑھوں کے کہ وہ صرف قوت لایموت حاصل کر سکتے ہیں۔ جو شخص علم و حکمت کے حصول کے لئے جانفشانی سے محنت کرتا ہے اگر اس کو ترقی اور خوشحالی کی امید نہ ہو تو اس کو محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے اور وہ کیوں اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال کر دوسروں کے لئے کمائے۔ اس سے انسانی ترقی رُک جاتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ جب قدرتِ خداوندی نے سب انسانوں کو مختلف فطری قویٰ اور قابلیتیں عطا کی ہیں اور ان کے اندر ترقی کی امنگ رکھ دی گئی ہے تو اُن کو ایک ہی سطح پر کیسے لایا جا سکتا ہے۔ حکومت کو کیا حق ہے کہ وہ دوسروں کی گاڑھے پسینے کی کمائی چھین کر بے ہنروں اور نکموں کو دیدے۔ یا دوسروں کا کمایا ہوا مال خود اپنے قبضہ میں لے لے۔ دُنیا میں بہت سے بے کس، محتاج اور اپاہج پائے جاتے ہیں ان سے ہمدردی اور مواسات فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے اور یہ انسان کے اخلاق میں داخل ہے کہ وہ ان کی مدد کرے۔ اگر اس کے پاس سرمایہ ہی نہ ہو تو وہ ہمدردی کے خلق کو منصۂ ظہور پر نہیں لا سکتا۔

ہم اسلئے اسجگہ ہمارے نزدیک قابل غور امر یہ ہے کہ موجودہ وقت میں بے پردگی کا رواج کیوں بڑھ رہا ہے۔ یقیناً پاکستانی مسلمان خواتین کا عام طبقہ ایسا ہے کہ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ اسلام کا یہ حکم ہے اور اس حکم کی یہ حکمت ہے اور انہیں اس پر اطمینان حاصل ہو جائے تو وہ خندہ پیشانی سے موجودہ دُنیا کی رَو کے خلاف اپنے لئے بعض شرعی پابندیاں گوارا کر لیں گی اسلئے ضرورت ہے کہ اہلِ فن اصحاب اس موضوع پر لکھیں کہ آیا چہرہ پردہ میں شامل ہے؟ اگر شامل ہے تو اسکی کیا حکمت ہے؟ الفرقان ایسے مضامین نہایت شکریہ کیساتھ قبول کریگا۔

مسئلۂ حجاب

آیا چہرہ پردہ میں شامل ہے؟

درحقیقت یہ مسئلہ کوئی زیادہ تحقیق طلب نہیں۔ اسلام نے جس غرض و غایت کے ماتحت پردہ کا حکم دیا ہے اسکے پیش نظر اسے حل کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ مگر اس وقت جبکہ پاکستان اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے تیاری کر رہا ہے اور معتد بہ عوام بار بار اس عزم کا اظہار کر چکے ہیں کہ پاکستان میں اسلامی آئین جاری کیا جائے۔ گویا وہ اسلامی احکام کی تعمیل کے لئے تیار ہیں۔ اسی وقت اس ملک کے برسرِ اقتدار طبقہ کی بیگمات کا ایک بڑا حصہ برسرِ عام بے پردگی اختیار کر رہا ہے اور اس کی عملی تلقین کی جا رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر ہم اسلامی معاشرت کو اختیار کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی ساری زندگی اسی نہج پر بسر کرنی چاہیئے۔ "آدھا تیتر اور آدھا بٹیر" قسم کے مسلمان خدائی نصرتوں کو جذب نہیں کر سکتے اور نہ ہی انہیں اسلام کی نمائندگی کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے اسلئے پاکستان میں دیگر عملی مشکلات کے ساتھ ساتھ ایک مشکل یہ پیدا ہو رہی ہے کہ ملک کا ایک کافی حصہ بڑی تیزی کے ساتھ اس طرف دوڑ رہا ہے جو مغربیت کی تقلید تو کہلا سکتی ہے مگر اسلام کا اتباع نہیں کہلا سکتی۔

ہمارے ملک میں اسلام کے علمبردار ہونیکے مدعیوں کی ایک ایسی جماعت بھی موجود ہے جو جبر و تشدد کے ساتھ دین کو قائم کرنیکا نظریہ رکھتی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ نظریہ اوّل تو اسلامی نظریہ نہیں دوم اسکے نتیجہ میں جوش صلاحیت پیدا ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ انسان کے جن اعمال کی بنا قلبی عزیمت پر نہ ہو ان میں پائیداری نہیں ہو سکتی۔

ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام مذہب کے منوانے اور مذہب پر عمل پیرا کرنے کیلئے تشدد کا حامی نہیں ہے وہ دلیل و برہان کو مذہب کی اساس ٹھہراتا ہے اور احکام کی حکمت بتاکر انکی تعمیل کیلئے انشراح صدر پیدا کرتا ہے

کرۂ ہوائی

یا

ہوائی شامیانہ

{ ذیل کا قیمتی مضمون امریکہ کے مشہور ماہنامہ "LIFE" سے نظارت تعلیم و تربیت کی تحریک پر حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحب نے ترجمہ کر کے عنایت فرمایا ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔ (ایڈیٹر) }

انسان ضروریاتِ زندگی کے لحاظ سے اپنے آپ کو بھرپور سمجھتا ہے اور کیوں نہ ہو آخر اس سیارۂ ارض کی سطح پر وہ غالب ترین ہستی ہے مگر جب وہ اپنی ذات سے باہر چیزوں پر غور کرتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سینکڑوں میل گہرے ہوائی سمندر کی تہہ میں بس رہا ہے جو کرۂ ارض کے گردا گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہے اور جس پر بالآخر ہر ذی حیات کی حیات کا دار و مدار ہے ــــ

بغیر ہوا کے کرۂ ارض پر نہ حیوانی زندگی قائم رہ سکتی ہے نہ نباتاتی۔ نہ کوئی پرندہ نہ کوئی مچھلی نہ کوئی درخت نہ گھاس کا ایک تنکا۔ نہ موسم نہ ہوائیں نہ بادل نہ بارش نہ دھوپ سے روشن سفید آسمان۔ نہ چمکتا ہوا غروب آفتاب کا شفق نہ پو پھوٹنے کے وقت آسمان پر سنہری دھاریاں۔ نہ آگ جل سکتی ہے کیونکہ جلنے کا مطلب آکسیجن کا جلنے والی چیزوں سے ملنا ہوتا ہے۔ اور نہ کوئی آواز سُنائی دیتی ہے کیونکہ آواز ہوا کی موجوں کا کان کی جھلی اور اعصابِ سماعت سے ٹکرانے کا نام ہے ــــ

یہ ہوائی حلقہ سورج سے نکلی ہوئی اکثر امواج خورد کو جذب کر کے ان کے مضر اثرات سے زمین کو محفوظ رکھتا ہے۔ ایک بہت بڑے سبز خانہ شیشہ کی طرح رات کے وقت یہ حلقہ باد زمین کی گرمی کو فضائے آسمانی میں اُڑ جانے سے روکتا ہے۔ چنانچہ اگر ہوا کا یہ حلقہ زمین کے گرد نہ ہوتا تو دن کو زمین کا درجۂ حرارت جھلسا دینے والا ۲۳۰ درجہ فارن ہیٹ تک پہنچ جاتا اور رات کے وقت ۴۰۰ درجہ فارن ہیٹ رہ جاتا جو درجۂ انجماد سے بھی ۲۶۰ درجہ نیچے یعنی سرد تر ہے۔ اور فضائے آسمانی کے کروڑوں اجزائے مادہ (meteors) کو جب وہ زمین کی کشش ثقل کے احاطہ میں آجاتے ہیں یہی کرۂ ہوائی تیز رگڑ سے جلا کر ضائع کر دیتا ہے جو اگر یہ کرہ نہ ہوتا تو زمین پر گر کر سطح زمین کو چاند کی سطح بے باد کی طرح غار ڈال کر داغدار کر دیتے۔

ہوا اور اس کی تشریح اور قیام

جنس جس میں انسان چلتا پھرتا ہے کئی گیسوں کا مجموعہ ہے جن میں سے پانچ نمایاں ہیں۔ نائٹروجن خشک ہوا کا ۷۸ فیصدی۔ آکسیجن ۲۱ فیصدی۔ آرگن قریباً ایک فیصدی۔ پانی کے بخارات (پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن سے مرکب ہے) ۰۱۔ فیصدی سے ۴ فیصدی تک اور کاربونک ایسڈ گیس ۰۳۔ فیصدی۔

بوجھ اس ہوا کا بہت زیادہ ہے گو انسان محسوس نہیں کرتا کیونکہ وہی دباؤ انسان کے اندر بھی ہے۔ ایک مربع فٹ پر ہوا کا بوجھ سطح سمندر پر ۲۱۶۰ پونڈ یا سوا چھ من

سے زیادہ پڑتا ہے۔ آکسیجن کے متعلق سب سائنس دانوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس کا وجود جو جانداروں کے لئے لازمی ہے اور تغیراتِ ارضی کا بنیادی سبب ہے در اصل لاتعداد قدیم زمانہ سے نباتات کے ارتقاء کے دوران میں پیدا ہوتا رہا ہے۔ کیونکہ زمین پر آکسیجن پیدا ہونے کیلئے نباتات کے خاص کا رخانے کروڑوں اربوں سال بلکہ ابتداہی سے جس کے لئے اندازہ مشکل ہے جاری ہیں۔ پس نباتات سے آکسیجن پیدا ہو کر جمع ہوتی رہی۔ یہ تو آکسیجن کی پیدائش اور اس کا خزانہ ہوا جمع ہو جانے کی نسبت سائنسدانوں کا خیال ہے لیکن ایسا چکر چلنا کہ کرۂ ہوا کی مختلف گیسوں کا اپنے تناسب پر رہنا قائم رہے خود ایک بڑا معجزہ ہے۔ اس میں زمین، ہوا، جانور اور نباتات سب اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔ چونکہ آکسیجن نباتات سے نکلتی ہے اسلئے نباتات کے لئے کاربونک ایسڈ گیس جانوروں کی سانس سے نکلتی رہتی ہے۔ جب نباتات سڑتے ہیں تو خوردبینی کیڑوں کے عمل سے کاربونک ایسڈ گیس ہوا میں واپس ہو جاتی ہے۔ سمندر میں کاربونک ایسڈ گیس کا بڑا ذخیرہ پیدا ہو کر پانی میں حل شدہ صورت میں موجود رہتا ہے۔ اوپر کے کرۂ ہوائی میں جس قدر مقدار کاربونک ایسڈ گیس کی موجود ہے اس سے پچاس گنا مقدار سمندر میں ہے۔

زمین ہوا اور جاندار چیزوں کا آپس میں ایکدوسرے کے ساتھ عمل بہت پیچیدہ ہے اور اس عمل کی پیچیدگی نائٹروجن کی پیدائش سے خوب واضح ہوتی ہے نائٹروجن کی ضرورت بطور خوراک پودوں اور جانوروں دونوں کو ہوتی ہے مگر نائٹروجن آکسیجن کی طرح دوسرے عناصر سے مرکب بنانے پر بآسانی تیار نہیں ہوتی اسلئے خوردبینی کیڑے یہ کام کرتے ہیں یعنی ہوا سے نائٹروجن لیکر ایسے مفید مرکبات بناتے ہیں جو زمین میں مل کر نباتات کیلئے غذا بن جاتے ہیں اور نباتات جانوروں کی خوراک ہوتی ہے۔ جب نباتات اور جاندار مرتے ہیں اور خوردبینی کیڑے مردہ جسموں کو کھاتے ہیں تو سڑنے والے مادہ سے خارج شدہ امونیا کو ایک قسم کے خوردبینی کیڑے نائٹروجن سے بنے ہوئے نمکوں میں بدلتے ہیں اور ان کے علاوہ دوسری قسم کے خوردبینی کیڑے نائٹروجن کو بالکل آزاد کر کے ہوا میں ملا دیتے ہیں۔ اس طرح نائٹروجن کا دور مکمل ہوتا ہے یعنی کرۂ ہوا سے گیا ہوا نائٹروجن واپس پھر کرۂ ہوا میں آ ملتا ہے۔

درجۂ حرارت

عام لوگوں کا خیال ہے کہ ہوا کا درجۂ حرارت بلندی کے ساتھ ہمیشہ کم ہوتا ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ صرف ۷ میل کی بلندی تک درجۂ حرارت برابر کم ہوتا ہے کیونکہ ہوا کی نچلی تہیں زمین کی سطح کی گرمی کو گرم ہوتی ہیں۔ جوں جوں اُوپر جائیں گرمی کم ہوتی ہے مگر کرۂ ہوائی میں ایک حصہ ایسا آتا ہے جہاں درجۂ حرارت کا بتدریج کم ہونا ایک طرح بالکل بند ہو جاتا ہے۔ انگریزی میں ہوا کے اس طبقہ کو اسٹریٹو اسفیر (Stratospheer) کہتے ہیں۔ ۱۸ میل کی بلندی پر جبکہ درجہ حرارت 40°F یعنی نقطۂ انجماد سے ۷۲ درجہ نیچے ہوتا ہے اوزون (ozone) کے جمع ہو جانے کی وجہ سے درجۂ حرارت بڑھنا شروع ہو جاتا ہے کیونکہ اوزون براہِ راست سورج سے گرمی جذب کرتا ہے۔ ۵۰ میل کی بلندی کے قریب جہاں اوزون نہیں ہوتا ہے درجہ حرارت کم ہو کر F ۱۰۰ یعنی نقطۂ انجماد سے ایک سو انچاس درجہ نیچے آجاتا ہے۔ اس کے بعد درجۂ حرارت پھر باقاعدہ طور سے بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ دو سو پچاس میل کی بلندی پر درجۂ حرارت 4118°F درجہ فارن ہیٹ تک پہنچ جاتا ہے۔

کرۂ ہوائی کے درجۂ حرارت کیا ایسے ایسے فرق ہیں کہ انسانی واہمہ بھی وہاں نہیں پہنچتا۔ اس کبھی کچھ اور کبھی کچھ درجۂ حرارت کی تبدیلیوں کو انسانی حِس معلوم نہیں کر سکتی۔ انسان کو گرمی سردی کا احساس لاتعداد ہوائی ذرّوں کی تیز یا آہستہ رفتاری سے ہوتا ہے جن کے ساتھ وہ کثیر التعداد ذرّے انسانی جسم سے ٹکراتے ہیں۔ لیکن ہوا کی بالائی سطح میں ذرّے کافی نہیں ہیں جو انسان کے جسم سے ٹکرائیں اسلئے پچاس میل سے اُوپر یہ حالت ہے کہ اگر کوئی جاندار اس بلندی پہ ہو تو ہوائی حفاظت کے بغیر اس کے جسم کی وہ طرف جو سورج کے رُخ پر ہے جھُلس کر [illegible] گی اور دوسری طرف سردی سے جم جائے گی۔

غیر مستقل موسم

ہوا کی سب سے زیادہ نمایاں صفت متحرک ہونا ہے جس سے ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔ زمین پر ہوا چلنے کی محرک سب سے بڑی دو طاقتیں ہیں۔ ایک سورج کی گرمی اور دوسری کرۂ ارض کا اپنے محور پر گھومنا۔ اگر صرف سورج کی گرمی ہی ہوتی تو اس جگہ کی ہوا جو عین سورج کے نیچے ہے گرم ہو کر سب طرف سے بڑے پیمانہ پر گھیرا ڈالتی ہوئی اوپر اٹھتی۔ مگر چونکہ زمین اپنے محور پر چکر لگاتی ہے اس چکر کی وجہ سے وہ ہوا جو زیادہ گرم مقام سے زیادہ سرد مقام کی طرف جا رہی ہوتی ہے مشرق اور مغرب کی طرف چکر کھا جاتی ہے اور قطبین کے گرد وسیع بگولوں کی شکل پیدا کر دیتی ہے۔ ہوائیں یہ چکر قطبینی علاقوں سے خطِ استوائی علاقوں تک درمیانی سمندروں اور ملکوں کے خود وہی حالات سے متاثر ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ تجارتی ہوائیں وغیرہ اسی حرکتِ زمین کا نتیجہ ہیں۔ مگر یہاں ہواؤں کا ذکر نہیں کرۂ باد کا ذکر ہے۔

کرۂ باد ایک خاموش بھرا ہوا ہوا کا سمندر نہیں ہے وہ اوپر اٹھتا اور نیچے گرتا رہنے والا سمندر ہے جس میں عظیم الشان موجیں اٹھتی ہیں اور سطح زمین پر ان موجوں کے پھرنے سے موسم پر اثر پڑتا ہے۔ جب اوپر کی ہوا اوپر کو اٹھ کر موج کی چوٹی بناتی ہے تو اس کے باعث نیچے سطح زمین پر ضرور ہوا کا دباؤ زیادہ ہوتا ہے۔

ہوا کا یہ اٹھان ہوا کے پہاڑ یا پہاڑوں کی طرح ہوتا ہے کیونکہ اس کے اندر ہوا اپنے گرد کی نسبت زیادہ دبی ہوتی ہے اور یہ گھومتی ہوئی اوپر جاتی ہے اور درمیان کا خلا بھرنے کے لئے اوپر کی ہوا نیچے آتی ہے اور نیچے آکر سکڑتی ہے اسلئے گرم ہو جاتی ہے۔ اسواسطے ہوا کے ایسے اٹھانوں کے درمیان میں موسم عام طور سے خشک اور مطلع صاف ہوتا ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے مقام نہیں بڑے بڑے علاقے ہوتے ہیں۔

ان اٹھانوں کے مقابلہ میں ہوا میں گراؤ بھی ہوتے ہیں۔ یہ نشیب ہوا کے پہاڑوں کے مقابلہ میں وادیوں کے قائم مقام ہوتے ہیں اور ان کم دباؤ کے علاقوں کی طرف دباؤ والی ہوائیں چلتی ہیں۔ ان میں آکر پھر ہوا اوپر ٹھنڈی بلندیوں پر چڑھتی ہے اور ٹھنڈی ہو کر یا تو بارش یا کُہر پیدا کرتی ہے۔ ایسے علاقوں میں جہاں گرم اور سرد ہوائیں ملتی ہیں آندھیاں چلتی ہیں بعض جگہوں میں معمولی تند ہوائیں اور بعض مقامات پر بڑے بڑے ہوائی طوفان اُٹھتے ہیں جن کا تجربہ ہر انسان کو ہوتا ہے۔

ان ہوائی اٹھانوں اور ہوائی گراؤوں کے علاوہ گرم یا سرد ہوا کے مقابلے بھی قابلِ ذکر ہیں۔ یہ مقابلے گرم اور سرد ہوا کے حرکت کرنے والے ڈھیروں کے اگلے کناروں میں ہوتے ہیں۔ سرد مقابلہ اُس وقت ہوتا ہے جبکہ ایک سرد تیز حرکت کرنے والا ہوا کا ڈھیر گرم ہوا میں گھس کر اوپر تک چلا جاتا ہے۔ اسکے ساتھ تیز آندھی اور بجلی کی کڑک کا طوفان ہوتا ہے۔ یہ پہلی

دیرپا نہیں ہوتی اور چھوٹے حصہ پر محدود ہوتی ہے۔ ایک گرم ہوا کا مقابلہ ہوتا ہے جبکہ گرم ہوا کا ڈھیر آہستہ آہستہ سرد ہوا پر جا پڑتا ہے تو بڑے رقبوں، کئی، یا توں بلکہ ملک کے ایک بڑے قطعہ کو بند حبس والی بارش سے بہت دنوں تک ڈھکے رکھتا ہے۔

بادل

ڈراونے کڑک والے بادلوں سے لیکر روئی کے گالوں کی طرح آہستہ آہستہ ہوا پر اُڑنے والے بادلوں تک جتنی قسمیں بادلوں کی ہیں سب کے سب تذاق مادہ یعنی آبی بخارات سے بنتے ہیں اور یہ بخارات گرمی جذب کرنے والی اپنی طاقت کے ذریعہ زمین کی سطح کی زندگی قائم رکھنے والے اعتدال درجہ حرارت کو قائم رکھنے میں مدد ہوتے ہیں۔ کھربوں ٹن آبی بخارات جو خطِ استوا پر سے سال میں دو دفعہ گذرتے ہیں وہ گرم نصف کرہ اور سرد نصف کرہ کے درجہ حرارت کے تفاوت کو معتدل رکھنے میں بڑا کام کرتے ہیں۔

جب مطلع صاف اور موسم خشک ہو تو آبی بخارات نظر نہیں آتے لیکن جب گرم ہوا سرد ہو جاتی ہے تو یہ بخارات نظر آتے ہیں کبھی بارش بن کر برستے ہیں کبھی اولے اور برف کی شکل میں بھی بخارات تبدیل ہو کر نظر آتے ہیں۔ کبھی درختوں کو چمکتے ہوئے ذرہ پوش کی شکل دیدیتے ہیں، کبھی صبح کی اوس کی بوندیں یا کُہر بن جاتے ہیں جب یہ بخارات نظر آنے والے ذرات جیسے قطرات میں دکھلائی دیتے ہیں تو کہر کی صورت میں زمین کے گرد لپیٹے یا بادلوں کی شکل میں ہوا میں اُڑتے ہوئے وہ اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ ایک چائے کی چمچی میں پانچ کھرب سما سکتے ہیں۔

اگر ہوا کی موجیں نظر آئیں تو جولائی کے ایک گرم سہ پہر کو کسی منظر پر نگاہ کرنے سے بے شمار سورج سے گرم شدہ ہوا کے ستون نظر آئیں گے اور ہر ایک پر سفید بادل ٹھہرا ہوا ہوگا جس بلندی پر بادل نظر آئیں وہ دراصل درجہ حرارت کی سطح ہے جہاں پانی ابخرے چھوٹے چھوٹے قطروں کی شکل میں نمودار ہو جاتے ہیں۔ یہ ہمیشہ بدلنے والے بادلوں کے نمونے موسم اور سطح زمین کے جغرافیہ کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔

آسمانوں کے خوبصورت مناظر

آدمی کے گرد و پیش جو خوبصورتیاں ہوتی ہیں اُن میں سے بہت سی خوبصورتیاں دراصل کرۂ ہوائی ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ نیلا آسمان اور نیلا سمندر، سفید بادل، سبز شفق، نومبر کے سنہرے کہر، قوس قزح اور بجلی کی چمک یہ سب ہمارے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہوا کی بدولت ہیں۔ مثلاً آسمان نیلا ہے کیونکہ روشنی کی نیلی چھوٹی موجوں کو ہوا کے اجزا (Molecules) جذب کر لیتے ہیں۔ پھر وہ آسمان میں ایک باریک نیلی روشنی اور ہوا کے جال کی صورت میں پھیل جاتے ہیں جو گویا کہ ایک نیلے چمکتے ہوئے ریشوں سے بنا ہوا ہے۔ یہ نیلا آسمان صرف ۱۲ میل کی بلندی تک ہے اس سے زیادہ اونچائی پر رنگ ارغوانی ہے اور ۲۰ میل سے اوپر ۲۰ میل سے اوپر سیاہی جس میں تارے چمک آتے ہیں۔

صبح و شام کی شفق بھی ان ہی رنگوں سے مل جل کر بنتی ہے۔ ان وقتوں میں سورج بہت نیچے افق پر ہوتا ہے اسلئے اس کی شعاعوں کو دوپہر کے وقت کی نسبت بہت سے زائد میل کرۂ باد کے گذرنے پڑتے ہیں۔ ہوا کے ذرّے اور آبی بخارات کے اجزاء اور دوسرے مادہ کے غبار کے باریک ٹکڑے زیادہ چھوٹی روشنی کی موجوں کو چھان دیتے ہیں اور بڑا کا بڑی موجوں والی روشنی کی شعاعیں جو قسم قسم کے سرخ رنگوں کی ہوتی ہیں زمین کو شام

مسیحی کلیسا کا الوہیتِ مسیحؑ کے متعلّق غلط عقیدہ

[رسالہ الفرقان جولائی ۱۹۵۳ء کے شذرات میں لورالائی بلوچستان کے مسیحی سب جج اسحاق رحیم بخش صاحب کے اس استدلال کا جواب دیا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ خدا کے بیٹے تھے۔ اس سلسلہ کا آخری شذرہ زیر عنوان "مسیحی کلیسا کا الوہیتِ مسیحؑ کے متعلق غلط عقیدہ" ملاحظہ فرمائیں ——— (ایڈیٹر)]

مسیحی سب جج اسحاق رحیم بخش صاحب لکھتے ہیں کہ "مسیحی کلیسا یہودیت کا تسلسل ہے حضرت موسیٰ کی معرفت دیئے گئے دس احکام ہماری عبادت کا جزو ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ تیرے لئے میرے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں"۔ اس عبارت کے لکھنے والے کے متعلق یہ وہم نہیں ہوسکتا کہ وہ مسیحؑ یا کسی اَور کو بھی خدا یا خدا کا بیٹا کہے گا مگر مسیحیوں کے عقیدہ کی پیچیدگی کا یہ عالم ہے کہ اسی مذکورہ عبارت کا راقم اس کے معاً بعد لکھتا ہے کہ:-

"ربنا المسیح کی عجیب و غریب شخصیت نے ہر انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ حضور کا ظہور طبعی اصول کے خلاف عمل میں آیا۔ آپ (شورش کاشمیری) کے ایمان کے مطابق انہوں نے مہد میں کلام کیا اور خاک سے چرند و پرند بنائے۔ خلافِ معمول ہر نبیاً و مرد و روح مسّ شیطان سے محفوظ رہے۔ (مشارق الانوار حدیث ۱۹۲۹) آیۃ للعالمین ہوئے (انبیاء۔ ۹۱) غیب دان تھے (سورہ آل عمران ۴۳) حالانکہ غیب کا علم جاننا صرف اللہ کی شان ہے (سورہ جن آیت ۲۶) ہمارے اور آپ کے ایمان کے مطابق مادر زاد اندھوں نے بینائی پائی۔ مُردے زندہ ہوئے۔ کوڑھی پاک صاف ہوئے۔ مائدہ نازل ہوئی۔ دیگر انبیاء بشر کی مانند ایک کلمہ استغفار کا ان کے لب پاک سے نہ نکلا"

مسیحی سب جج صاحب نے عام مسلمانوں کے بعض عقائد سے حضرت مسیحؑ کی الوہیت پر استدلال کیا ہے جو از روئے حقیقت سراسر غلط ہے۔ سب سے پہلے تو یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ ان امور و خیالات کا نتیجہ اگر الوہیتِ مسیحؑ کا اثبات ہے تو قرآن مجید نے انکے ذکر کے باوجود "ربنا المسیح" کہنے والوں کو غلط کار بلکہ کفر کرنیوالے کیوں قرار دیا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ مسیحی صاحبان جس رنگ میں ان بیانات کو سمجھتے ہیں وہ غلط ہے اور ان سے ان کا الوہیتِ مسیحؑ کا نتیجہ نکالنا غلط تر۔ دوسرے مذکورہ امور اپنی صحیح تشریح کے ساتھ حضرت مسیحؑ کو الوہیت کے مقام پر ہرگز ثابت نہیں کرسکتے۔ مسیحؑ کی بن باپ پیدائش اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نشان تو ہے مگر اس سے مسیحؑ کا خدا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ قرآن مجید نے حضرت آدمؑ کو بے باپ اور بے ماں قرار دیا ہے۔ پولوس نے ملک صدق شالیم کے متعلق لکھا ہے:-

"یہ بے باپ ماں بے نسب نامہ ہے نہ اسکی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا"
(عبرانیوں ۷/۳)

حضرت مسیحؑ کے مہد میں کلام کرنے سے بھی ان کی الوہیت ثابت نہیں ہوسکتی۔ اوّل تو اسکے معنے نبیوں کی طرح معجزانہ کلام کرنے کے ہیں لیکن بالفرض اس کا مفہوم گود میں کلام کرنا بھی ہو تب بھی نہ مسیحؑ اس میں منفرد ہیں اور نہ ہی یہ دلیلِ الوہیت ہے۔ "خاک سے چرند و پرند بنانے" کی بھی ایسی ہی کہانی۔ قرآن مجید میں مسیحؑ کے روحانی پرندے بنانے کا ذکر ہے جو فضائے روحانیت میں پرواز کرتے تھے لیکن اگر بعض مفسرین کے قول کے مطابق اس سے ظاہری دیر اُڑنے والے پرندے بھی مراد لے لئے جائیں

تب بھی حیرت ہے کہ جناب سب جج صاحب نے تیجہ کہاں سے نکال لئے؟ قرآن مجید نے سورۂ انبیاء کی آیت لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ میں سب نبیوں کو معصوم قرار دیا ہے۔ عصمتِ انبیاء کا مقصد ہے کہ مسیحؑ پر یہود کا شدید الزام تھا کہ اسے "مسِ شیطان ہوا ہے" اور وہ شیطان کی مدد سے معجزے دکھاتا ہے (لوقا ۱۱/۱۵) اسلئے بطور بریت اسلامی لٹریچر میں مسیحؑ کو مسِ شیطان سے پاک ٹھہرایا گیا ہے۔ مشارق الانوار میں جہاں مسیحؑ کے مس شیطان سے پاک ہونے کا ذکر ہے وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ ماں باپ کی دعا سے ہر بچہ مسِ شیطان سے پاک ہو سکتا ہے۔ اگر مسیحؑ آیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ تھے تو عزیرؑ بھی اٰیَةً لِّلنَّاسِ تھے (بقرہ: ۲۵۹) فرعون کو بھی اللہ تعالیٰ نے لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ٹھہرایا ہے (یونس ۹۲) اسکا الوہیت کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ حضرت مسیحؑ ہرگز غیب دان نہ تھے انبیاءؑ اسی قدر جانتے ہیں جو اُن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اگر مسیحؑ غیب دان ہوتے تو یہ کیوں فرماتے کہ:-

"اس دن اور اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں
جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صرف باپ"۔

(متی ۲۴/۳۶)

آل عمران کی آیت اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ سے مراد صرف یہ ہے کہ مسیحؑ یہود کو حلال اور طیب چیزوں کا علم دینے آئے تھے انہیں ذخیرہ کرنے والی چیزوں پر آگاہی بخشنے پر مامور تھے۔ گویا ان کی زندگی کو پاک بنانے آئے تھے۔ بیشک حضرت مسیحؑ نے روحانی اندھوں کو آنکھیں بخشیں، روحانی مُردوں کو زندہ کیا، روحانی کوڑھیوں کو صاف کیا، ان کی دعا سے روحانی مائدہ اترا، مگر یہ کام سب نبی کرتے آئے ہیں۔ اگر ان امور کے مادی معنے ہی لئے جائیں تب بھی بائبل کے رُو سے بہت سے نبی ان امور میں حضرت مسیحؑ کے شریک غالب ہیں۔ ایلیاہ نے مُردہ زندہ کیا (۱سلاطین ۱۷/۲۲) الیسع نے مردہ کو زندہ کیا (۲سلاطین ؟/؟)

زندہ نبی تو مُردوں کو زندہ کیا ہی کرتے تھے بائبل میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ الیسع کی مُردہ ہڈیوں نے بھی مُردہ کو زندہ کر دیا تھا (۲سلاطین ۱۳/۲۱) اب فرمائیے کیا یہ سب خدا تھے!

بات لمبی ہوتی جاتی ہے ہم مسیحی معجزات کے سلسلہ میں صرف ایک بات کی طرف سب جج صاحب کی توجہ مبذول کراتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ان معجزات کو مسیحؑ کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل گردانا گیا ہے نہ کہ ان کے خدا ہونے پر۔ ملاحظہ ہو:-

"اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری
ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم
پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں
سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم میں
دکھائے۔" (اعمال ۲/۲۲)

اس حد تک ہر مسلمان مسیحی معجزات سے استدلال پر متفق ہے کیونکہ ہر نبی کے معجزات اس کے خدا کی طرف سے ہونے پر دلیل ہوتے ہیں لیکن ان معجزات کو الوہیت کی دلیل ٹھہرانا سراسر باطل ہے۔

مسیحی سب جج صاحب نے آخری بات الوہیت مسیحؑ کے لئے یہ پیش کی ہے کہ انہوں نے کبھی استغفار نہیں کیا یعنی وہ پاک تھے۔ اوّل تو گناہ اور استغفار لازم ملزوم نہیں اہلِ جنت پاک ہونے کے باوجود وَاغْفِرْ لَنَا (تحریم-۸) کہتے رہیں گے۔ دوم مسیحؑ کے استغفار کے ذکر نہ کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ استغفار نہیں کیا کرتے تھے سوم مسیحی سب جج صاحب اس سے حضرت مسیحؑ کا پاک ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن پاکیزگی دلیلِ الوہیت نہیں کیونکہ بائبل میں لکھا ہے:-

(۱) "نوح اپنے قرنوں میں صادق اور کامل تھا
اور نوح خدا کے ساتھ چلتا تھا"۔ (پیدائش ۶/۹)

(۲) "وہ دونو (زکریا اور ان کی بیوی) خدا کے حضور
راستباز اور خداوند کے سارے حکموں اور قانونوں
پر بے عیب چلنے والے تھے"۔ (لوقا ۱/۶)

(۱۴) "وہ (یحییٰ) خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا
اور ہرگز نہ مے نہ کوئی اور شراب پئے گا۔
اور اپنی ماں کے پیٹ ہی سے رُوح القدس
سے بھر جائے گا۔" (لوقا $\frac{1}{15}$)

پس جب حضرت یحییٰؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت نوحؑ اور زکریاؑ کی بیوی بھی کامل پارسا تھے مگر خدا نہ تھے تو حضرت مسیحؑ کو پارسا ماننے کے ساتھ ان کا خدا ہونا کیونکر لازم آیا؟ غرض مسیحی کلیسا کا الوہیت مسیحؑ کا عقیدہ محض بے بنیاد ہے۔ حضرت مسیحؑ خدا کے نبیوں میں سے ایک نبی تھے اور خدا واحد لاشریک ہے اس کا نہ کوئی ہمسر ہے نہ باپ نہ بیٹا۔ وہ واحد و یگانہ خدا ہے یہی توحید ہے جسے تورات میں بیان کیا گیا تھا۔ اور اسی کی طرف قرآن مجید نے دعوت دی ہے۔ مبارک ہیں وہ جو خدا کی باتوں پر غور کرتے اور انہیں مانتے ہیں ◆

اشاعت قرآن کیلئے ایک نئی انجمن (بقیہ ص)

محض انجمن بنا دینے سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے بہت کچھ درد و محنت کی ضرورت ہے۔ اور سب سے بڑھ کر قرآن مجید سے حقیقی لگاؤ اور سچا عشق ہونا ضروری ہے۔ پاکیزگی اور تقویٰ کا ہونا لازمی ہے۔ تاکہ انسان کا دل مہبطِ انوار الٰہی بن سکے۔ وہ اللہ تعالےٰ کے صحیح منشأ کو سمجھ کر اس کی اشاعت کر سکے۔

بہرحال ہم سمجھتے ہیں کہ چونکہ علماء نے اشاعتِ قرآن کے فریضہ کی بجائے باہمی نزاعات کو ہوا دینا اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے اسلئے درد مند مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہر رنگ میں قرآن مجید کی خدمت کے طریق کو اختیار کریں۔ **الفرقان** کا یہی مقصد ہے اسلئے وہ اس انجمن کی کامیابی کا خواہاں ہے ◆

قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے (بقیہ ص)

"اسلئے سورتوں کی ترتیب نزول کو دریافت کرنا
ضروری ہے۔ دوسری طرف منکرین نسخ کیلئے
بھی استدلال کے وقت اس تعین کی ضرورت
پیش آتی ہے۔ چنانچہ قائلین و منکرین نسخ کے
مباحثہ کے ضمن میں ایسی مثالیں اکثر ملتی ہیں
جہاں صرف دعوئ نسخ کو برقرار رکھنے کیلئے
بعد کی نازل شدہ سورت کی بعض آیات کو
قبل کا نازل شدہ بتایا جاتا ہے۔"
(دیکھو طلوع اسلام ۱۵ اپریل ۱۹۵۴ء)

قرآن مجید کی کسی آیت کو منسوخ قرار دینا سرے سے غلط ہے۔ قرآن کریم سارے کا سارا قائم و دائم صحیفہ ہے۔ نسخ فی القرآن کے غلط عقیدہ کی بنیاد پر آیات کی تاریخ نزول کے جاننے کو ضروری قرار دینا بنیادی طور پر غلط ہے۔ بے شک ہم کسی علم کا انکار نہیں کرتے لیکن قرآن مجید میں منسوخ آیات قرار دینا از روئے قرآن مجید خود باطل عقیدہ ہے۔ جماعت احمدیہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ بحیثیت جماعت منفرد جماعت ہے جو قرآن مجید میں کسی آیت کے منسوخ ہونے کی قائل نہیں ہے۔

کیا مولانا اکرم خان بتائیں گے کہ ان کے نزدیک قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ ہے؟ اگر نہیں تو ان کا استدلال غلط ہے۔ اگر ان کے نزدیک کوئی آیت منسوخ ہے تو پہلے اس کی تعیین فرمائیں۔!

دوست اپنے حلقہ احباب میں
الفرقان کی توسیع اشاعت کی کوشش
فرمائیں ــــ!

سلسلۂ انبیاء میں "خاتم النبیین" صرف رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں!

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کے رسالہ پر ایک نظر!!

(از جناب شیخ عبدالقادر صاحب لائل پور)

۲

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کے رسالہ "خاتم النبیین" پر ایک طائرانہ نظر ہم ڈال چکے ہیں۔ یہ نظریہ کہ خاتم النبیین حضرت مسیح ناصری ہیں نہ کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم، صحف مقدسہ کی پیشگوئیوں کی رو سے سراسر باطل ہے۔ پیشگوئیوں کا یہ سلسلہ ساڑھے تین ہزار سال میں پھیلا ہوا ہے جن کا اجمالاً ذکر گزشتہ حصہ مضمون میں آچکا ہے اور تو اور خود حضرت مسیح ناصری نبی موعود کے آنے کی خبر دیتے ہیں۔ آپ کے حواری پہلی صدی مسیحی کے آخر تک نبی موعود کی بعثت مقدسہ کے منتظر نظر آتے ہیں۔

سلسلہ انبیاء میں آنے والے عظیم الشان نبی کے لئے سب سے مفصل اور مشہور پیشگوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے۔ آپ اپنے آخری درس میں نبی موعود کی بعثت کا ذکر کرتے اور بنی اسرائیل کو اس کے ماننے کی وصیت کرتے ہیں۔ پادری ولیم جی بلیکی اپنی مشہور کتاب "تاریخ بائیبل" میں لکھتے ہیں:-

حضرت موسیٰ کا آخری درس

"اب وہ لوگ آخری دفعہ اس کی آواز سن رہے تھے۔ کوئی اور قوم شاید کبھی ایسا زندہ جاوید اور موثر کلام سننے کے لئے کبھی اس طرح فراہم نہ ہوئی ہوگی جس طرح یہ لوگ اکٹھے ہوئے۔ اور نہ کوئی درس ایسا مناسب حال دیا گیا ہوگا جیسا یہ درس تھا۔ موسیٰ کی اصل غرض یہ تھی کہ وہ خدا کو جو ایک واحد، زندہ و غیور اور اسی کے ساتھ ہی بنی اسرائیل پر رحم کرنے والا خدا بھی ہے ایک دلکش صورت میں اُن کے سامنے پیش کرے۔ پس اُس نے ان کو وہ تمام باتیں یاد دلائیں جو خدا نے شریعت میں بیان فرمائی تھیں ...... پھر اُس نے اس بڑے نبی کی طرف اشارہ کیا جو موسیٰ کی مانند ان کے درمیان برپا ہونے والا تھا اور اس طرح ان کے درمیان وہ انتظار کی روح پیدا کی جو زمانہ آئندہ کی طرف دیکھتی تھی اور جس میں موعودہ برکت وجود میں آنے والی تھی .....

..... پھر اُس نے ان ساری باتوں کا مطلب ایک نظم میں بھر دیا جو اپنی تاثیر اور خوبصورتی کے باعث بے نظیر ہے اور جو غالباً اس غرض سے لکھی گئی کہ سب لوگ اسے حفظ کریں اور گایا کریں۔ اس کی آواز کی آخری گونج بمشکل بند ہوئی تھی۔ کہ وہ اس نظارہ میں سے اوپر بلا لیا گیا۔" (تاریخ بائبل ساتویں فصل)

حضرت موسیٰ کی مشارٌ الیہ پیشگوئی جس میں نبی موعود کی آمد

کا ذکر ہے۔ تورات کے حصۂ نثر میں استثناء ۱۸/۱۸ اور حصۂ نظم میں استثناء ۳۲/۲۱ پر مشتمل ہے۔

یسعیاہ نبی کے صحیفہ کا آخری باب[1]

بنی اسرائیل کے بھائیوں میں مبعوث ہونے والے نبی کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کی صدائے بازگشت حضرت یسعیاہ نبی کی آخری بشارات میں بھی ہم سنتے ہیں۔ یہ پیشگوئی آپ کے صحیفہ کے آخری دو ابواب میں ہمیں ملتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) بنی اسرائیل اپنی نافرمانیوں اور سرکشیوں کے باعث عہدِ نبوت کی برکات سے محروم ہو جائیں گے اور خدا تعالیٰ کے برگزیدوں کے نزدیک سراپا لعنت ہوں گے۔ اب خدا تعالیٰ غیر قوموں یعنی غیر بنی اسرائیلی لوگوں کو آگے لاتا ہے۔ وہ ایک نئے نام سے بلائے جائینگے جو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔ (یسعیاہ ۶۵/۱۴ تا ۱۶، ۶۶/۲)

(۲) یہ نئے لوگ گو بنی اسرائیل کے بھائی ہیں لیکن بنی اسرائیل ان سے کینہ رکھتے اور نفرت کرتے ہیں، اور انہیں ابراہیمی عہدِ نبوت سے خارج قرار دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری رحمتوں کے دروازے کبھی بند ہوئے ہیں؟ "کیا میں جو پیدا کرنے والا ہوں رحم کو بند کر دوں؟ جبکہ اس سے پہلے صیہون (مراد اسرائیلی اُمت) کو درد لگے اور اس نے اپنے بچے جنے" تو اب ایسا کیوں نہ ہو کہ ایک نئی اُمت معرضِ وجود میں آئے۔ (۶۶/۵ تا ۹)

(۳) اس وقت بنی اسرائیل تو یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ہماری قوم سے وہ موعود ظاہر ہوگا اور خدا تعالیٰ کی تجدید صرف ہمارے درمیان ہوگی۔ لیکن خدا تعالیٰ ایک دوسری اُمت پر جلوہ گر ہوگا اور بنی اسرائیل پشیمان ہوں گے۔ لیکن ان کا ایک حصہ ایمان لائے گا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اس نئی قوم کے اندر ایک فرزند نرینہ (انسان کامل) پیدا ہوگا اور روحانی ولادت کا یہ عجیب نظارہ دنیا دیکھے گی کہ ایک اُمت کی اُمت یکبارگی ظاہر ہوگئی اور دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ کیونکہ اس سے پہلے ایسی کوئی مثال نہ ہوگی۔ کہ اتنے تھوڑے عرصہ میں ایک قوم صحیفۂ ہستی پر نمودار ہوا اور زمین کو اپنے اثمار شیریں سے بھر دے۔ (۶۶/۵ تا ۹)

(۴) اس اُمت کے ظاہر ہونے پر پرانے ارض و سماء خاطر میں نہ لائے جائیں گے۔ بلکہ یہ لوگ ایک نئے آسمان اور نئی زمین کے وارث ہوں گے۔ یعنی ان کے پاس ایک نئی آسمانی شریعت ہوگی جو سابقہ شرائع کو منسوخ کر دیگی اور زمین میں ایک انقلاب پیدا کر دے گی۔ (۶۵/۱۷، ۶۶/۲۲) اور ان کا مرکز بھی ایک نیا یروشلم ہوگا۔ (۶۵/۱۸، ۱۹، ۶۶/۱۰ تا ۱۳)

(۵) ان لوگوں کو بہت سی جنگیں درپیش ہوں گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ متحارب گروہ جو کہ اپنے آپ کو پاک قرار دیتے ہیں (اہل کتاب) اور وہ لوگ جو کہ ہر قسم کی ناپاک چیزیں کھا جاتے ہیں (یعنی مشرکین) سب کے سب شکست کھا جائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آجائے گا کہ سب قوموں کو دینِ واحد پر جمع کر دیا جائے گا۔ وہ آئیں گے اور خدا تعالےٰ کا جلال دیکھیں گے۔ اور جس طرح نئے آسمان اور نئی زمین خدا تعالیٰ کے حضور قائم رہیں گے اسی طرح ان کی نسل اور ان کا نام قائم رہے گا۔

(۶۶/۶، ۱۵ تا ۲۲)

---

[1] بائبل میں یسعیاہ ۶۵، ۶۶ باب کا خلاصہ بطور عنوان یہ درج ہے۔ غیر قوموں کی بلاہٹ۔ یہودی اپنی بداعمالیوں کے باعث رد کئے جاتے ہیں۔ غیر قوموں کے درمیان ایک مقدس کلیسیا۔ یروشلم جدید کا مبارک حال +

بنی اسرائیل کے بھائیوں میں عہدِ نبوت

اس عظیم الشان پیشگوئی کا وہ حصہ جس میں بنی اسرائیل کے بھائیوں (بنی اسماعیل) کی روحانی ولادت کا ذکر ہے، درج ذیل ہے :-

(۱) "خداوند کی بات سنو۔ اے تم جو اسکے کلام کے سبب کانپتے ہو۔ تمہارے بھائی جو تمہارا کینہ رکھتے اور تمہیں (عہدِ ابراہیمی سے۔ ناقل) میرے نام کے واسطے خارج کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ (ہمارے درمیان) خداوند کی تمجید کی جائے گی۔ پر وہ تمہاری خوشی کے لئے دکھائی دیگا۔ اور وہ پشیمان ہونگے۔"

(یسعیاہ ۶۶/۵)

(۲) "پیشتر اس کے کہ (اس قوم کو) درد لگے۔ وہ جنی۔ قبل اس کے کہ اس کو دردِزہ لگے اس کو فرزندِ نرینہ پیدا ہوا۔ اس کی مانند کس نے سنا۔ اس کی مثل کس نے دیکھا کہ زمین ایک ہی دن میں پھل لاتی ہے۔ یا ایک قوم ایک ہی دفعہ پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ صیہون (مراد اسرائیلی اُمت) کو پہلے ہی جب درد لگا تو وہ اپنے بچے جنی۔ کیا (اب) میں دردِزہ لگاؤں اور نہ جناؤں؟ خداوند فرماتا ہے کہ کیا میں جو جنانے والا ہوں رحم کو بند کر دوں؟" (یسعیاہ ۶۶/۷ تا ۹ ترجمہ از کیتھولک بائیبل)

مسیحی بھائیوں کے لئے یسعیاہ نبی کی یہ پیشگوئی ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر قوم نے خدا تعالیٰ کی رحمتوں کے دروازے اپنے اپنے نبیوں اور اپنے اپنے سلسلوں کے بعد بند کر دیئے۔ اس پیشگوئی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی رحمتوں کے دروازے اگر ایک قوم پر اس کی بداعمالیوں کے باعث مسدود ہوتے ہیں تو ایک دوسری قوم پر اس کے استحقاق کی وجہ سے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اس پیشگوئی میں اہل کتاب کو ان کے اس غلط نظریہ کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ بنی اسماعیل عہدِ نبوت سے خارج ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل پر نبوت ختم ہے اور حضرت مسیح ناصری اپنے بعد صرف جھوٹے نبیوں کیلئے میدان خالی چھوڑ گئے (رسالہ خاتم النبیین صفحہ ۱۳۱)

کلامِ خدا پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ بنی اسرائیل میں نبوت ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ختم ہوئی۔ وہ خدا جس کی رحمتیں ہر چیز پر محیط ہیں بنی اسرائیل کے بعد ان کے بھائیوں پر جلوہ گر ہوگا۔ وہ نئی وحی اور نئی شریعت کے حامل ہوں گے اور ایک نئے آسمان اور نئی زمین کے وارث۔

علمائے یہود کے سامنے پطرس رسول کا وعظ

پرانے عہدنامہ کے بعد نئے عہدنامہ میں ہمیں یہ پیشگوئی "اعمال الرسل" میں ملتی ہے۔ علمائے یہود کے سامنے پطرس رسول یہ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق آنے والا عظیم الشان نبی حضرت مسیح ناصری کے بعد آئے گا۔

ہم حیران ہیں کہ رسالہ خاتم النبیین کے مصنف نے پطرس رسول کی اس تقریر کے متعلق بھی یہی دعویٰ کیا ہے کہ گویا آپ نے

"یہودی قوم کے سرداروں کے سامنے اس حقیقت کا اعلانیہ اقرار اور اظہار کیا کہ مسیح ناصری ہی خاتم النبیین ہے" (اعمال ۳/۲۴)

"چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد" کی بہترین

مثال رسالہ خاتم النبیین کے مصنف کا یہ دعویٰ ہے۔ ہم ذیل میں پطرس رسول کے مذکورہ وعظ کا ایک بڑا حصہ درج کرتے ہیں جس سے قارئین کو بخوبی اندازہ ہوسکیگا کہ خاتم النبیین حضرت مسیح ناصری ہیں یا آپ کے بعد آنیوالا موعود۔ مقدس پطرس کے مندرجہ ذیل الفاظ قابلِ غور ہیں :-

"جن باتوں کی خدا نے سب نبیوں کی زبانی پیشتر خبر دی تھی کہ اس کا مسیح دُکھ اٹھائیگا وہ اس نے اسی طرح پوری کی۔ پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ۔ تاکہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی بخش ایام آئیں۔ اور وہ یسوع مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے بھیجے۔ ضرور ہے کہ آسمان اس وقت تک اس کو لئے رہے جب تک کہ عظیم بحالی[1] کا وہ زمانہ نہ آئے جس کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دُنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے وہ سب اس کی سُننا۔ اور یہ ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سُنے گا وہ اُمت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ بلکہ سموئیل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے باتیں کیں ان سب نے ان دنوں کی خبر دی ہے تم نبیوں کی اولاد اور اس عہد کے شریک ہو جو خدا نے تمہارے باپ دادوں سے باندھا۔ جب ابراہیم سے کہا کہ تیری اولاد سے زمین کے سارے گھرانے برکت پائیں گے۔ خدا نے اپنے خادم کو اٹھا کر اسے پہلے تمہارے پاس بھیجا تاکہ تم میں سے ہر ایک کو اس کی بدیوں سے پھیر کر برکت دے۔"

(اعمال $\frac{۳}{۱۸ \text{ تا } ۲۶}$)

مقدس پطرس کے اس وعظ سے صاف ظاہر ہے کہ:-

(۱) تورات اور انبیاء کی پیشگوئیوں کے مطابق مسیح کی آمد ثانی سے پیشتر بنی اسرائیل کے بھائیوں میں موسیٰ کی مانند ایک عظیم الشان صاحب شریعت پیغمبر کی بعثت ضروری ہے جس کے لئے سب انبیائے بنی اسرائیل پیشگوئیاں کرتے آئے کہ جب وہ پیغمبر صادق آجائے تو اُسے قبول کرنا ورنہ تم سزا پاؤ گے اور خدا کی برگزیدہ اُمت میں شامل نہ ہو سکو گے۔

(۲) اس بشارت کے علاوہ انبیائے بنی اسرائیل نے یہ بھی پیشگوئی کی کہ نبیٔ موعود کی آمد سے پہلے خدا تعالیٰ کا مسیح آئے گا اور وہ لوگوں کے ہاتھوں دُکھ اٹھائیگا۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ تیری اولاد سے دُنیا کے سارے گھرانے برکت پائیں گے۔ اس وعدہ کے مطابق خدا تعالیٰ نے پہلے حضرت مسیح ناصری کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے بھیجا یہ الفاظ کہ "خدا نے اپنے خادم کو اٹھا کر پہلے تمہارے پاس بھیجا" ظاہر کر رہے ہیں کہ حضرت مسیح ناصری کے بعد بھی یہ وعدہ پورا ہوگا اور کوئی موعود دُنیا کی دوسری قوموں کی طرف بھی بھیجا جائیگا جس کی بعثت سے دُنیا کے سب گھرانے برکت پائیں گے۔

وہ موعود وہی ہو سکتا ہے جس کی موسیٰ نے خبر دی اور پطرس کے نزدیک جس کی آمد پر مکمل بحالی اور انقلاب

[1] جیمس مافٹ نے اس موقع پر یہی ترجمہ دیا ہے :-
"Period of the great Restoration".

رونما ہوگا۔

(۴) تورات کی پیشگوئی میں خبر دی گئی ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں آنے والے نبی کو جو کچھ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ سب تعلیمات قوم پر ظاہر کر دیگا یعنی وہ نبی مسیح کی طرح یہ نہیں کہے گا کہ چونکہ تمہیں کامل تعلیم کی برداشت کی قوت نہیں اسلئے سب باتیں تم پر ظاہر نہیں کی جاسکتیں بلکہ وہ نبی کامل شریعت دنیا کے سامنے پیش کریگا۔ مقدس پطرس نے اس پیشگوئی کو دہرا کر اِس بات کا گویا اقرار کیا ہے کہ کامل شریعت ابھی آنے والی ہے جس پر سب شریعتوں کا خاتمہ ہے۔ اور نبئ کامل ابھی ظاہر ہونے والا ہے کہ جس کے وجود میں سب نبوتیں کمال کو پہنچ جائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ مقدس پطرس نے اپنے وعظ میں کہا کہ نبی موعود کی آمد پر ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہوگا اور وہ مبارک زمانہ شروع ہو جائے گا جس میں سب بگڑی ہوئی چیزیں بحال کی جائیں گی اور جو لوگ اسے قبول نہیں کریں گے وہ خدا تعالیٰ کی اُمت میں سے نیست و نابود کر دیئے جائیں گے۔ اس اُمت کے بعد چونکہ اور کسی اُمت کا ذکر نہیں اسلئے صاف ظاہر ہے کہ آنے والا موعود ارتقاء کا آخری نقطہ ہے لہذا وہی خاتم النبیین ہو سکتا ہے۔

(۵) مقدس پطرس نے ایک طرف تورات کی اس پیشگوئی کی طرف توجہ دلائی کہ آنیوالا موعود مثیلِ موسیٰ ہوگا۔ جو شخص بھی اس کا انکار کریگا وہ اُمت میں سے کاٹ دیا جائیگا۔ دوسری طرف یہ بتایا کہ اس نبی کی بعثت کے بعد آسمانی باپ اپنے ہاں سے مسیح موعود کو بھیجے گا یعنی وہ آسمانی بادشاہت لیکر آئے گا اور دنیا پژمردگی کے بعد تازگی کے دن دیکھے گی۔ اس تقابل سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح موعود آنے والے نبی کی اس اُمت میں سے ظاہر ہوگا جس اُمت میں شامل ہونے کے لئے سب نبی لوگوں کو تاکید کرتے آئے پھر جس طرح موسیٰ نبی کی اُمت بگڑنے پر حضرت مسیح ناصری ظاہر ہوئے تھے اسی طرح آنیوالے موعود پیغمبر کو موسیٰ کی مانند یعنی اس کا مثیل قرار دیا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مثیلِ موسیٰ کے تیرہ سو سال بعد اُسی کی اُمت میں سے مثیلِ مسیح کا آسمانی بادشاہت لیکر آنا مقدر تھا۔

(۶) ضمناً یہ امر بھی پیشِ نظر رہے کہ مقدس پطرس نے جو کہ حضرت مسیح ناصری کے پہلے جانشین اور آپ کی تعلیمات کو صحیح رنگ میں پیش کرنے والے تھے یہود کو یہ نہیں کہا۔ کہ کفارۃ المسیح پر ایمان لانے سے تمہارے سارے گناہ مٹا دیئے جائیں گے۔ بلکہ توبہ اور رجوع لانے کی قوم کو دعوت دیتے ہیں۔ چنانچہ پیکس تفسیر بائیبل میں کتاب اعمال الرسل کے مفسر کو بھی یہ بات کھٹکتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:-

"پطرس کے بیان میں بپتسمہ کا ذکر نہیں اور نہ مسیح کے صلیبی دُکھوں کو گناہوں کے کفارہ کا ذریعہ سمجھا گیا۔" (صفحہ ۸۹۷)

اِن حقائق کی روشنی میں غور کیجئے کہ خاتم النبیین حضرت مسیح ناصری ہیں یا آپ کے بعد آنے والا موعود۔ جس کی تعلیم مکمل تعلیم، جس کی شریعت کامل شریعت اور جس کی نبوت قیامت تک ممتد ہے؟

ضروری اطلاع

(۱) بقایا داران بقایا کی ادائیگی کی طرف فوری توجہ فرمائیں!

(۲) احباب مطلع رہیں کہ رسالہ الفرقان ہر ماہ کی بیس تاریخ کو شائع ہوتا ہے

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہٖ پر قاتلانہ حملہ اور بھارتی اخبارات

اسلام اور پاکستان کو بدنام کرنے والوں کی مذمت

گذشتہ اشاعت میں ہم نے حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہٖ پر قاتلانہ حملہ کے سلسلہ میں تفصیلی مضمون شائع کیا ہے پاکستانی اخبارات اور علماء کی طرف سے حملہ کی مذمت میں بیانات شائع کئے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ حملہ ہر طرح سے قابلِ مذمت ہے۔ اس حملہ کی ذمہ داری ان لوگوں پر ہے جو اسلام کے پاک نام کو بدنام کرتے ہوئے اسے تیر و تشدد کا مذہب قرار دیتے ہیں اور پاکستان کی رواداری کو بٹہ لگا رہے ہیں۔ اسلام در اصل امن و آشتی کا مذہب ہے اسلئے اسکے بعض غلط کار پیروؤں کی وجہ سے اسے ہدفِ مطاعن بنانا سراسر غلط ہے۔ اس نمبر میں ہم مندرجہ بالا ریمارکس کے ساتھ بھارت کے دو اخباروں کے اقتباس شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ (ایڈیٹر)

احمدی جماعت کے پیشوا پر قاتلانہ حملہ

"احمدی جماعت کے مسلمانوں کو عملی زندگی کے اعتبار سے صحیح معانی میں مسلمان کہنا چاہیئے کیونکہ ان میں شاید ہی کوئی ایسا ہوگا جو نماز اور روزہ کا پابند نہ ہو اور جو خدا اور قرآن اور رسول پر ایمان نہ رکھتا ہو مگر غیر احمدی مسلمانوں کی پوزیشن بہت دلچسپ ہے کہ یہ لوگ ایک چور، شرابی، زانی اور اسلامی شعار کی واضح طور پر بے حرمتی کرنیوالے کو تو مسلمان سمجھتے ہیں مگر اختلافِ رائے کے باعث نہ صرف احمدیوں کو مسلمان نہیں سمجھا جاتا بلکہ پاکستان میں ان کو قتل کرنا بھی جائز قرار دے لیا گیا ہے چنانچہ تازہ اطلاعات کے مطابق احمدیوں کے ہیڈ کوارٹر میں اس جماعت کے پیشوا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد پر ایک مسلمان نوجوان نے قاتلانہ حملہ کیا اور نہ صرف مرزا صاحب زخمی ہوئے بلکہ حملہ آور کو روکنے والے دو احمدی بھی مجروح ہو گئے۔

جو لوگ احمدی ایجی ٹیشن کے سلسلہ میں نظر بند تھے ان کی رہائی کے بعد یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ شاید اینٹی احمدی ایجی ٹیشن کو پھر جاری کیا جائے اور اس قسم کی اطلاعیں بھی آئی تھیں کہ اینٹی احمدی ایجی ٹیشن کے لیڈر پھر کوئی نیا قدم اٹھانیوالے ہیں۔ چنانچہ اگر پاکستان میں احمدی اصحاب بغیر خطرہ کے نہیں رہ سکتے تو پھر سوال یہ ہے یہ لوگ جائیں تو کہاں کیونکہ پاکستان کے احمدی پاکستان میں اسلئے رہے کہ وہ پاکستان کو اسلامی ملک سمجھتے تھے اور اب پوزیشن یہ ہے کہ ہندوستان میں تو ہر احمدی محفوظ ہے اسکی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا مگر اسلامی ملک "پاکستان" میں چوہدری سر ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان ہیں لیکن ایک احمدی چپڑاسی تک محفوظ نہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ یکدم ہلاک کر دیا جائے۔

احمدی حضرات اپنے مذہبی عقیدہ کے مطابق اپنی گورنمنٹ کے وفادار رہنے کے پابند ہیں چنانچہ انگریزی دور کے زمانہ میں وہ برطانیہ کے وفاشعار تھے اور ہندوستان کے احمدی ہندوستان کے وفاشعار ہیں اور پاکستان کے احمدی پاکستان کے۔ انکی اس سیاسی پوزیشن میں پاکستان گورنمنٹ کی یہ فرض ناشناسی ہوگی اگر احمدی جماعت کے لوگوں کی پورے طور پر حفاظت نہ کی جائے اور اس ایجی ٹیشن کی بنیاد دور تک کو ختم نہ کیا جائے جس کو چلانے والے ان معصوم بے گناہ احمدیوں کی جان لینا غلط طور پر اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں"۔ (ریاست دہلی ۱۵ مارچ ۱۹۵۴ء)

خلیفہ قادیان پر حملہ

"پاکستانی پنجاب میں ربوہ کے مقام پر مرزائیوں کے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد پر جو قاتلانہ حملہ ہوا وہ اسی قسم کے دیگر واقعات کی یاد دلاتا ہے جو تیرہ سو سال پرانی اسلامی تواریخ میں رونما ہو چکے ہیں۔ حیرانی کی بات ہے کہ اپنے آپکو "دیندار" کہنے والا مسلمان مذہبی پیشواؤں کو مسجد میں ہی اور بعض اوقات نماز پڑھتے وقت ہی قتل کرنا ثواب سمجھتا ہے۔ اسلام کے چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کوفہ کی مسجد میں شہید کئے گئے اور انکی طرح دوسرے کئی لوگ بھی مارے گئے اسمیں خلیفہ قادیان ایک استثنیٰ نہیں ان پر بھی حملہ نماز کے بعد مسجد میں ہی ہوا"۔ (ویر بھارت امرتسر دہلی ۱۳ مارچ ۱۹۵۴ء)

قرآن کریم کا نزول، اس کا جمع ہونا اور اس کی ترتیب

جناب مولوی غلام احمد صاحب فاضل لیکچرار دینیات تعلیم الاسلام کالج لاہور

قرآن کریم کی بلحاظ نزول پہلی اور آخری آیات

قرآن کریم خدا تعالیٰ کے اس کلام کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا تعالیٰ نے قانون شریعت کے طور پر بصورت الفاظ کیا تھا۔ اس کلام کی ابتداء ۱۰ ماہ رمضان المبارک (۶۱۰ میلادی) کے دن غارِ حراء میں بتوسط جبرئیل علیہ السلام ہوئی اور پہلا کلام یہ تھا۔ اقرأ باسم ربک الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقرأ و ربک الاکرم الذی علم بالقلم۔ علم الانسان مالم یعلم۔ (علق ع)

یعنی اے محمدؐ! تو اپنے رب کے نام سے (اس کا پیغام) پڑھ اور دوسروں کو پہنچا۔ اور پھر (اس پیغام کو) جمع بھی کر (کہ آئندہ بار بار پڑھا جائے) جس رب نے تمام عالم کو پیدا کیا۔ انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا (ہم پھر کہتے ہیں کہ) پڑھ اور پہنچا اور جمع کر ورنہ تحالیکہ تیرا رب (یعنی تجھے اس حالت سے کمال کی حالت تک پہنچانیوالا) بہت معزز و محسن ہے۔ وہ جس نے (انسان کو) قلم سے کام لینا سکھانا چاہا اور انسان کو وہ کچھ سکھانے کا ارادہ کیا ہے جو قبل ازیں وہ نہ جانتا تھا۔"

اس کلام کی آخری جزء ۹ ذوالحجہ ۱۰ ہجری جمعہ کے روز عرفات کے جبلِ رحمت پر الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً نازل ہوئی تھی۔ فرمایا کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین (قانون) کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے ہمیشہ تک اسلام کا دین پسند کیا۔

گویا وہ کلام خداوندی جو قانونِ شریعت کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا رہا اسکی مدت ۲۲ سال ۲ ماہ اور ۲۲ دن ہے۔ اس آخری قانونی کلام کے نزول کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۹۲ دن زندہ رہے ہیں۔

کلام الٰہی کے نزول کے تین طریقے

یہ کلام خداوندی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح ہوا؟ اس امر کو خدا تعالیٰ خود قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وما کان لبشر ان یکلمه الله الا
وحیاً أو من وراء حجاب أو یرسل
رسولاً فیوحی باذنه ما یشاء۔

(سورہ شوریٰ ع ۵)

یعنی کسی بشر کے لئے ممکن نہیں ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کلام کرے بجز اس صورت کے کہ وہ کلام وحی ہو یا وراء حجاب ہو یعنی پس پردہ ہو۔ یا وہ کوئی پیغام رساں فرشتہ بھیجتا ہے وہ وحی کرتا ہے اس خدا کے حکم سے جو خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں سے کلام کرنے کے تین طریقے بتائے ہیں۔ اور اگر بشر لفظ کی تنوین کو تعظیم شان کی قرار دیا جائے تو پھر عظیم الشان ہستیوں

یعنی انبیاء کرام سے خاص کلام کی یہ نوعیت ماننی پڑے گی اور ان تینوں نوعیتوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ عالیہ کی بناء پر ہر نوعیت کا درجہ اعلیٰ ماننا ہوگا۔

کلام کرنے کا پہلا طریق

طریق کلام کی پہلی قسم کا نام وحی رکھا گیا ہے اور یہ اسلئے آتا ہے کہ لوگوں کی موجودگی میں یا اکیلے ہونے کی حالت میں خدا تعالیٰ اپنے نبی سے ایسے انداز سے کلام کرے کہ جس کلام کو صرف نبی ہی اپنے قلب مطہر سے معلوم کر سکے دوسرا معلوم نہ کر سکے یعنی فضاء میں ایسی لہر پیدا ہو جس لہر کو الفاظ کی صورت میں صرف وہ مقرب بندہ ہی سن سکے اور دوسرے لوگ جو پاس موجود ہوں وہ نہ سن سکیں۔ یہ کلام جلدی جلدی نازل ہوتا ہے لیکن باوجود جلدی جلدی نازل ہونے کے پھر بھی دل پر گڑھتا جاتا ہے اور نبی کو بھولتا نہیں اور اس کلام سے نبی کے اندر انشراح پیدا ہوتا ہے اور اسے ایک خاص طاقت و ثبات عطا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کسی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور کلام کی یہ ساری کیفیت لفظ وحی کے اندر لغوی طور پر پائی جاتی ہے۔

احادیث اور تاریخ سے ایسا کلام کئی مختلف لوگوں کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا ثابت ہے صحابہ کرام کو صرف اتنا معلوم ہوا کہ آنحضرت پر وحی کے جلال کی وجہ سے کچھ ربودگی چھا گئی اور اس کلام کے اثر سے حضور کے جسم مبارک پر ایک بوجھ محسوس ہوا اور آپ کے چہرہ مبارک پر سردی کے دنوں میں بھی شدید پسینہ آیا اور تھوڑی دیر کے بعد جب حضور سے وہ حالت جاتی رہی تو حضور علیہ السلام نے وہ الفاظ صحابہ کرام رض کو سنا دیے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کے قلب مبارک پر اس وقت نازل کئے گئے تھے۔

دوسرا طریق کلام

خدا تعالیٰ نے اپنے کلام کرنے کا دوسرا طریق آیت کریمہ وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا والی میں جو بیان فرمایا ہے وہ "او من وراء حجاب" کے الفاظ ہیں۔ یعنی کہ خدا تعالیٰ اپنے بندے سے پس پردہ کلام کرتا ہے۔ اس "وراء حجاب" کی اصل حقیقت تو خدا تعالیٰ کو ہی معلوم ہے مگر کسی حد تک احادیث سے روشنی پڑتی ہے یا بزرگوں کے حالات سے کچھ معلوم ہوتا ہے مثلاً معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک نوری چادر تھی اور اس چادر کی دوسری سمت سے حضور کو خدا تعالیٰ کے الفاظ سنائی دے رہے تھے یا (۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے فلما قضی موسی الاجل وسار باھلہ آنس من جانب الطور نارا قال لاھلہ امکثوا انی آنست نارا لعلی آتیکم منھا بخبر او جذوۃ من النار لعلکم تصطلون فلما اتاھا نودی من شاطئ الواد الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ ان یا موسی انی انا اللہ رب العلمین۔ (سورہ قصص) کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل کے ساتھ مدین سے آرہے تھے تو راستے میں انہیں آگ نظر آئی جس کی وجہ سے وہ آگ کی طرف آئے اور پھر وہاں ایک درخت میں سے آواز آئی جو خدا تعالیٰ کی آواز تھی۔ انی انا اللہ رب العالمین کہ میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔

(۲) دوسرے معنے اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَاب

وراء حجاب کے دوسرے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ رمز سے بات کی جائے یعنی اس کلام میں کئی قسم کے استعارے یا تشبیہات ہوتی ہیں جو اس کلام کے لئے بطور حجاب کے ہوتے ہیں۔ جب تک انسان ان حجابوں کو نہ اٹھائے اس پر اس کلام کی حقیقت منکشف نہیں ہوتی۔ جیسے بڑے بڑے فصحا اور ادیب لوگوں کے کلام میں استعارے اور تشبیہات ہوتی ہیں جو کلام کو اعلیٰ

اور فصیح اور خوبصورت بناتی ہیں ایسے ہی ہمارے کلام میں بھی لطیف استعارے اور تشبیہات ہوتی ہیں۔

وراءِ حجاب کی تیسری صورت تیسری صورت وراء حجاب کی یہ بھی بخاری میں مذکور ہے کہ بعض اوقات گھر میں بیوی کے پاس بیٹھے ہوئے آنحضرتؐ کے پاس جبرئیلؑ آئے۔ آپ پر کوئی نیند یا ربودگی نہ طاری ہوئی مگر جبرئیلؑ سے باتیں ہوئیں۔ جبرئیلؑ نے حضرت عائشہؓ کو بواسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم السلام علیکم کہا اور انہوں نے جواب دیا اور پھر کہا تریٰ مالا اریٰ یعنی آپ وہ کچھ بھی دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھتے (بخاری جلد۲) گویا حضرت عائشہؓ کی آنکھوں کے لحاظ سے حجاب تھا مگر آنحضرتؐ کی آنکھوں کے لحاظ سے حجاب نہ تھا۔

کلام کا تیسرا طریق خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں کلام کرنے کی تیسری نوعیت جو بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی وجود کو نبی کی طرف بھیجتا ہے اور وہ وجود جیسے قرآن کریم میں کبھی "رُوْحَنَا" اور کبھی "رُوْحٌ مِّنْهُ" کہا گیا ہے، کبھی "رُوْحُ الْاَمِیْن" کہا گیا ہے، کبھی "جبرئیل" کہا گیا ہے اور کبھی "ملک" کہا گیا ہے خدا تعالیٰ کے بندے کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فرمودہ الفاظ ایک پُرجلال اور پُرمعانی کلام کی صورت میں اُس بندے پر نازل کرتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلی وحی کے وقت ہوا۔ جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ ہوا کہ فرشتے نے آکر انہیں بشارت دی کہ تیرے ہاں ایسی ایسی شان کا بیٹا ہوگا۔ یا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کلام کیا گیا (حضرت اسحاقؑ کی بشارت کے وقت اور ساتھ ہی حضرت لوطؑ کی قوم کی تباہی کے متعلق) یا جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی طرف دو فرشتے انسانی شکل میں بھیجے گئے تھے۔

فرشتہ کے نزول میں بھی احادیث کی رُو سے یہ بات مدنظر رہنی چاہیئے کہ اکثر اوقات کسی جانی پہچانی صورت میں وہ فرشتہ متمثل ہوتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دحیہ بن خلیفہ کلبی صحابی کی شکل میں عموماً جبرئیلؑ ظاہر ہوا کرتے تھے کوئی صحابی یا حضورؐ کی ازواج میں سے کوئی جو شریک مجلس ہوتے دحیہ کلبی ہی سمجھ رہے ہوتے تھے۔ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے تھے کہ یہ جبرئیلؑ تھے۔ اور کبھی جبرئیل غیر معروف اور اَن جانی شکل و صورت میں متمثل ہوتے ہیں جس شکل کو شریک مجلس نہیں پہچان سکتے تھے۔ ہاں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جان لیتے تھے کہ یہ جبرئیل آیا۔ جیسے حضرت عمرؓ کا واقعہ حدیثوں میں آتا ہے کہ ایک شخص آیا جسے ہم میں سے کوئی نہ جانتا تھا اس پر سفر کا بھی کوئی نشان نہ تھا۔ نہایت صاف شفاف سفید اس کے کپڑے تھے۔ نہایت سیاہ بال تھے۔ وہ آیا اور آنحضرت سے کچھ دیر باتیں کیں پھر وہ اُٹھ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبرئیل تھے۔ تمہیں دین کی باتیں بتانے آئے تھے کہ تم لوگ سُن لو اور سمجھ لو۔ یا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتے اجنبی انسانوں کی شکلوں میں نظر آئے اور حضرت ابراہیم نے انسان سمجھ کر ان کے آگے کھانا بھی رکھا مگر بعد میں حقیقت کھُلی کہ وہ فرشتے ہیں۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دینے آئے تھے اور پھر وہی حضرت لوط علیہ السلام کی طرف آئے انہوں نے بھی اُن کو انسان ہی سمجھا مگر وہ بعد میں فرشتے ثابت ہوئے۔ یا پھر جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے فرشتہ انسانی شکل میں متمثل ہوا تھا۔

حاصل کلام خلاصہ کلام یہ کہ جب خدا تعالیٰ نے اپنے بندے سے کلام کرنے کی خود تین صورتیں بتا دی ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم کے نزول کی بھی یہی تین صورتیں ہیں۔ (۱) کہ فضا میں شدت و سرعت سے آواز پیدا ہوتی رہی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سُنتے رہے (۲) اس کلام میں بلحاظ فصاحت و بلاغت استعارات و تشبیہ کا التزام ہے۔ (۳) اور کہ رُوح اللہ آتے اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے

فرمودہ کلمات آپ پر نازل کئے۔ ان تینوں صورتوں کا حاصل مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کے جمیع الفاظ کلام کے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مطہر پر نازل ہوئے ہیں (وحی بغیر واسطہ ۔۔ اشارات و تشبیہ لئے ہوئے تو دی پردہ کے پیچھے سے یا حضرت جبریل کے ذریعہ) ان الفاظ میں سے کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو آنحضرت کا اپنا بنایا ہوا ہو۔ بلکہ سبھی الفاظ مع اپنے تلفظ اور اعراب کے خدا تعالیٰ کے ہی الفاظ ہیں۔ کیونکہ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھواکر خود محفوظ کرائے۔ خود یاد کرکے اپنے سینے میں محفوظ کئے۔ پھر صحابہ کرام کو آنحضرت نے ہی اپنی زبان مبارک سے بار بار پڑھائے ہیں اور سنائے ہیں۔ جن کو صحابہ کرام یاد کرتے رہے اور بعض بعض لکھتے بھی رہے

کیفیت نزول قرآن مجید

کلام الہٰی کے نزول کی کیفیت جو خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں عمومی رنگ میں بتا دی ہے۔ اس کے ظاہر کرنے کے بعد میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس وحی (قرآنی) کے متعلق تصریح فرمائی ہے۔ احیاناً یاتینی مثل صلصلة الجرس وهو اشد علیّ فیفصم عنی وقد وعیت عنه واحیاناً یتمثل لی الملک رجلاً فیکلمنی فاعی ما یقول۔ (بخاری) کہ قرآنی وحی دو ہی طرح آتی رہی ہے۔ (۱) فضا میں لہر پیدا ہوتی ہے جس کی آواز مسلسل گھنٹی بجنے کی طرح شروع ہوتی ہے۔ پھر کلمات کی صورت میں وہ آواز آپ کے قلب مبارک پر نازل ہوتی ہے جسے آپ کا قلب و ذہن وحی کے ساتھ ہی مضبوطی سے قبول کر چکا ہوتا ہے دوسری صورت یہی کہ فرشتہ آکر کلام نازل کرتا ہے تو مجھے وہ کلام بھی فوراً یاد ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد تعداد وحی کے متعلق میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ احادیث اور تاریخوں سے ثابت ہے کہ شروع میں وحی تھوڑی تھوڑی کرکے نازل ہوتی تھی۔ پھر نزول کی رفتار بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر میں پے در پے اور کثرت سے وحی نازل ہوتی چنانچہ (۱) بخاری باب فضائل القرآن میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ان اللہ تعالیٰ تابع علیٰ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم الوحی قبل وفاته اکثر ما کان الوحی یعنی خدا تعالیٰ نے کثرت کے ساتھ آپ پر وحی بہ نسبت پہلی عمر کی وحی کے وفات سے قبل کی ہے۔ جس کی شرح میں (۲) فتح الباری جلد ۹ ص مصری میں لکھا ہے:۔

"وفی روایة ابی ذر ان اللہ تابع علیٰ رسولہ الوحی قبل وفاته ای اکثر انزاله قرب وفاته صلی اللہ علیہ وسلم"

یعنی ابوذرؓ صحابی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنی وحی وفات سے پہلے زیادہ مقدار میں نازل ہوتی تھی۔

ایسے ہی ایک دوسری کتاب میں حضرت انسؓ سے ایک اور روایت بھی ہے کہ حضرت امام زہری نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ کیا وحی قبل از وفات منقطع ہو گئی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا: اکثر ما کان واجمّه (فتح الباری مذکور) کہ وفات کے قریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بہت زیادہ ہوتی تھی یعنی وحی قرآنی بھی اور وحی خفی بھی۔

آخری عمر میں کثرت سے وحی نازل ہونے میں حکمت

عمر کے آخری حصہ میں وحی کے زیادہ نازل ہونے کی کئی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اسلام جو مسائل دنیا میں پیش کر رہا تھا وہ بالکل نئے تھے۔ ابتداء میں ان کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل تھا اسلئے قرآن کریم ابتداء میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وقرآناً فرقناه لتقرأه علی الناس علیٰ مکث ونزلناه تنزیلاً (بنی اسرائیل رکوع آخر)

جب لوگوں کے ذہن میں اسلام کے اصول رچ گئے اور قرآنی مضامین کا سمجھنا ان کے لئے آسان ہوگیا تو پھر قرآن کریم کا نزول بھی تیز ہوگیا اور وحی جلدی جلدی آنے لگی۔ اور یہ اسلئے کیا گیا تا سب کے سب مسلمان قرآن کریم کے مضامین کے پوری طرح واقف ہوجائیں۔ دوسری وجہ اس کی یہ تھی کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا اس وقت آپؐ کے ماننے والے تھوڑے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ قرآن کریم محفوظ رہے اور اس کے متعلق کسی قسم کا شبہ پیدا نہ ہو اسلئے شروع میں قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کرکے نازل ہوا۔ ایسی آہستگی کے ساتھ کہ بعض دفعہ چند آیات نازل ہونے کے بعد کئی کئی مہینے گزر جاتے تھے اور پھر کہیں جاکر چند اور آیات نازل ہوتی تھیں۔ اس طرح ان تھوڑے سے آدمیوں کو پورے طور پر قرآن کریم یاد کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔ چند سالوں میں مسلمانوں کی جماعت بڑھنی شروع ہوگئی اور قرآن کریم کی حفاظت زیادہ آسان ہوگئی۔ تب قرآن کریم کا نزول بھی پہلے کی نسبت زیادہ تیزی سے ہونے لگا۔ آخری ایام عمر میں تو مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی اوپر نکل چکی تھی۔

جمع قرآن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قرآنی وحی نازل ہوتی تھی آپؐ خود اس کو حفظ کر لیتے تھے اور ہمیشہ اس کو دہراتے رہتے تھے (مثلاً خود اپنی خلوت کی نمازیں دہرانے کے علاوہ صحابہؓ کے ساتھ نمازوں میں دہراتے) لوگوں کو وہ وحی پڑھاتے بھی تھے۔ ماننے والوں کو سنا دیتے اور یاد کراتے تھے۔ حتیٰ کہ مخالفوں کو تبلیغ کے وقت بھی بعض حصے سنا دیتے تھے کہ میرے رب کا یہ کلام ہے اس پر غور کرو۔ بعض اوقات دوسرے لوگ آپؐ سے خود دریافت کرتے کہ جس کلام کے بطور وحی نازل ہونے کے آپ مدعی ہیں وہ سنائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ قرآنی وحی سنا دیتے۔ اس طرح آپؐ ساری وحی کے خود کامل حافظ تھے۔

حفاظتِ قرآن کے ذرائع علاوہ آپؐ کے خود حافظ ہونے کے حفاظتِ قرآن کریم کے ذرائع یہ بھی تھے کہ (۱) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوتی تھی وہ اُسی وقت لکھوا دی جاتی تھی۔ چنانچہ جن کاتبوں کو قرآن کریم لکھواتے تھے اُن میں سے مندرجہ ذیل ۱۵ نام تاریخ سے بھی ثابت ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح۔ زبیرؓ بن عوام۔ خالدؓ بن سعید۔ ابانؓ بن سعید۔ حنظلہؓ بن ربیع الاسدی۔ معیقیبؓ بن ابی فاطمہ۔ عبداللہؓ بن ارقم زہری۔ شرجیلؓ بن حسنہ۔ عبداللہؓ بن رواحہ۔ مدینہ منورہ میں زیدؓ بن ثابت۔ ابیؓ بن کعب بھی کاتبانِ وحی تھے (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۹) بعض حدیثوں سے اَور لوگوں کا قرآن لکھنا بھی ثابت ہے۔ جیسے امیر معاویہؓ اور عبداللہؓ بن عمرو بن عاص۔

دوسرا طریق حفاظت دوسرا طریق حفاظت قرآن کا یہ ہے کہ کوئی مسلمان مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ پانچ وقت نماز نہ ادا کرے پانچ وقت کی نمازوں میں یہ فرض ہے کہ قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھا جاوے اسلئے ہر مسلمان کو قرآن شریف کے کچھ نہ کچھ حصے یاد کرنے پڑتے ہیں تاکہ وہ نماز پوری طرح پڑھ سکیں۔

تیسرا طریق حفاظت تیسرا طریق قرآن کریم کی حفاظت کا یہ تھا کہ اسلام کا سارا قانون قرآن میں ہے اس کی فقہ بھی قرآن میں ہے۔ اس کا علم الاخلاق بھی قرآن میں ہے۔ اس کا علم العقائد بھی قرآن میں ہے۔ اس کا فلسفۂ تعلیم بھی قرآن میں ہے۔ قوم کی ترقی اور قوم بنانے کے لئے ان سب چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سارے امور کے لئے آدمی تیار کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ کے زمانہ میں ہی قاضی بھی مقرر تھے علم الاحکام

کے بیان کرنے والے بھی مقرر تھے۔ مسائلِ اعتقادیہ بیان کرنے والے لوگ بھی موجود تھے۔ مفتیانِ شریعت بھی موجود تھے۔ اور یہ سب لوگ یہ کام نہیں کر سکتے تھے جب تک ان کو قرآن حفظ نہ ہو۔

چوتھا طریقِ حفاظت

چوتھا طریقِ حفاظتِ قرآن کا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حفظِ قرآن کی فضیلت پر بڑا زور دیتے تھے حتیٰ کہ قرآن زیادہ یاد کرنے والے کو ہر کام میں زیادہ مقدم بھی کرتے تھے۔ اور اس کا ثواب بھی اخروی زندگی میں زیادہ ملنے کا اظہار فرماتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید کو یاد کرنا شروع کیا حتیٰ کہ ایسے ایسے لوگ بھی قرآن کریم کو یاد کرتے تھے جن کی زبانیں صاف نہ تھیں اور جن کے علم بہت کمزور تھے (یعنی دوسرے ممالک کے تھے یا چھوٹی عمر کے ہوتے تھے یا کم غور و فکر والے ہوتے) ان قرآن یاد کرنے والوں کے نام بھی تاریخ سے ملتے ہیں۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں اور وہ سب خوشی اور فخر سے اس امر کا اظہار کرتے تھے کہ ہم نے آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے اتنا قرآن سُنا اور یاد کیا تھا۔

یہ تعداد حفاظِ قرآن کریم کی اتنی بڑھ گئی کہ بئرِ معونہ کے واقعہ میں ۷۰ صحابہؓ جو تبلیغ کے لئے بھیجے گئے اور شہید ہو گئے تھے وہ سب قرّاء یعنی حفاظِ قرآن ہی تھے۔ پھر جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے مقابلہ پر شریک ہونے والوں میں سے تین ہزار حافظِ قرآن تھے۔ جس کا واقعہ تاریخوں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب کی قوم وسیع علاقہ میں تھی اور بڑی جنگجو تھی اسلئے بعض نئے نئے مسلمان ہونے والے لوگوں کی کمزوری کی وجہ سے متواتر بعض چھوٹی چھوٹی مٹھ بھیڑوں میں مسلمان لشکر کو شکست پر شکست ہونے لگی تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے جو لوگ قرآن کے حافظ تھے انہوں نے خالدؓ بن ولید سپہ سالار کو خود کہا کہ آپ اس سارے لشکر سے مسیلمہ کا مقابلہ نہ کریں صرف ہم لوگ جو قرآن شریف کے جاننے والے ہیں ایک الگ لشکر کی صورت میں ترتیب دیکر اس کے مقابلہ کے لئے آگے کریں کیونکہ ہم اسلام کی قیمت جانتے ہیں اور اس کے بچانے کے لئے اپنی جانیں دینے کی قدر بھی ہمیں معلوم ہے۔

اُن کی اس بات کو خالدؓ بن ولید نے مان لیا، اور قرآن شریف کے حفاظ صحابہؓ کو الگ کر دیا۔ سو وہ تین ہزار نکلے۔ ان تین ہزار آدمیوں نے اس شدت سے مسیلمہ کے لشکر پر حملہ کیا کہ اس کو پیچھے ہٹ کر ایک محدود مقام میں محصور ہونا پڑا اور آخر اس کا لشکر تباہ ہو گیا۔

اس لڑائی میں بعض روایتوں کی بنا پر ۷۰۰ صحابہ حفاظِ قرآن کے شہید ہو جانے کا ذکر ہے (فتح الباری جلد ۹ مطبوعہ مصر) اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ وقت سے عرض کیا کہ۔ انّ القتل قد استحرّ یوم الیمامۃ بقرّاء القرآن وانّی اخشیٰ ان استحرّ القتل بالقرّاء بالمواطن فیذهب کثیرٌ من القرآن وانّی اریٰ ان تامر بجمع القرآن (بخاری)

یعنی یوم یمامہ حفاظ القرآن زیادہ تعداد میں شہید ہو گئے ہیں۔ اگر اسی طرح حفاظِ قرآن دوسری لڑائیوں میں شہید ہونے لگے تو پھر قرآن کریم کا بہت سا حصہ جو ان کو یاد ہے آئندہ کے لئے محفوظ رکھنا مشکل ہو جائے۔ ابھی تو ہزاروں سے زیادہ صحابی موجود ہیں اسے ایک جگہ کتابی صورت میں جمع کرنے کا حکم دیدیں۔ چنانچہ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے غور و فکر کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ قرآن کریم کو مختلف لکھی ہوئی جگہوں سے (چمڑوں، ہڈیوں، اوراق، کھجور کی شاخوں اور باریک چوڑے پتھروں) اور یاد کرنے والے صحابہ سے لیکر ایک جگہ لکھیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ساتھ دوسرے جلیل القدر حافظِ قرآن اُبی بن کعبؓ کو لیا اور ان دونوں

کاتبانِ وحافظانِ وحی نے قرآن کریم کو اسی ترتیب پر ایک جگہ جمع کیا جس ترتیب سے ان کو بھی یاد تھا اور جس ترتیب کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور ان کے سوا ہزاروں کو یاد کرایا تھا

قرآن کریم کی ترتیب

قرآن کریم کی ترتیب کے بارے میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید کی ترتیب نزولی اور ہے اور موجودہ ترتیب اور۔ ترتیب نزولی بلحاظ حالات و واقعات کے تھی اور موجودہ ترتیب آئندہ آنے والی نسلوں کے حالات کے مطابق۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ شروع میں مسلمانوں کے پیش آمدہ حالات اور مسائلِ ضروریہ یعنی توحید، ضرورتِ نبوت، وحی اور معاد وغیرہ پر مشتمل حصہ قرآن وقتاً فوقتاً نازل کیا جاتا رہا لیکن آئندہ زمانہ میں چونکہ قرآن مجید نے ایک مکمل کتاب کی صورت میں پیش ہونا تھا تو پھر اس ترتیب کو بہتر سمجھا گیا۔

اس کی معمولی مثال یہ سمجھی جا سکتی ہے کہ کسی دعوت کے موقع پر کھانا دینے والوں کو بلحاظ کھانا تیار کرنیکے اور ترتیب مدِّنظر ہوتی ہے لیکن جب کھانے کا وقت آتا ہے تو اس ترتیب سے نہیں کھلایا جاتا جس ترتیب سے کہ وہ تیار ہوا تھا بلکہ کھانے کے وقت مہمانوں کی اشتہاء وضرورت وصحت وغیرہ امور کی بنا پر اس کھانے کے کھلانے میں دوسری ترتیب مدِّنظر ہوتی ہے بسا اوقات بالکل پہلے تیار ہونے والی چیز بہت بعد میں کھلائی جاتی ہے۔ اور بعد میں تیار ہونے والی چیز سب سے پہلے پیش کی جاتی ہے۔

حفاظتِ قرآن مجید

قرآن شریف کی حفاظت کے بارے میں اور اس کے جمع کرنے کے بارے میں خود قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ ہم خود اس کے جمع کرنے اور اس کی ترتیب کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ

(۱) ایک آیت میں فرمایا۔ انّا نحن نزّلنا الذکر وانّا له لحٰفظون۔ (سورۃ الحجر عؒ) یعنی ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کا سامان کریں گے۔

(۲) دوسری آیت میں فرمایا۔ وانّهٗ لکتٰبٌ عزیزٌ لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیلٌ من حکیمٍ حمید (حٰم سجدہ عؒ) یعنی یہ کتاب ہے جو تمام کتبِ الہامیہ پر غالب آجائے گی۔ اس کے قریب بھی باطل نہیں آسکے گا۔ نہ اس وقت اور نہ بعد میں کبھی۔ یہ حکیم وحمید خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

(۳) پھر ایک تیسری آیت میں فرمایا۔ انّ علینا جمعهٗ وقرآنهٗ (القیامۃ عؒ) یعنی ہم پر ذمہ واری ہے کہ ہم اس کے جمع کرنے اور اس کے آئندہ زمانوں میں بار بار پڑھے جانے کا انتظام کریں۔

(۴) پھر ایک اور آیت میں فرمایا کہ۔ ولقد وصّلنا لهم القول لعلّهم یتذکّرون۔ (قصص عؒ) یعنی ہم نے قرآن کریم کو ان کے لئے ترتیب دیا ہے تاکہ وہ غور وفکر کرکے نصیحت وشرف حاصل کر سکیں۔

(۵) پھر پانچویں ایک اور آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لهٗ معقّبٰتٌ من بین یدیه ومن خلفه یحفظونه من امر اللہ (رعد عؒ) یعنی اس قرآن کے محافظ ہماری جانب سے مقرر ہیں۔ اس زمانہ میں بھی اور آئندہ زمانہ میں بھی جو ہمارے حکم سے اس کی حفاظت کرتے رہیں گے۔

(۶) پھر فرمایا۔ ولقد یسّرنا القرآن للذکر فهل من مدّکر (قمر عؒ) یعنی ہم نے قرآن کریم کو بلحاظ عبارت، الفاظ، ترتیب ایسا بنا دیا ہے کہ اس کا یاد کرنا نہایت آسان ہے۔

علاوہ ان خاص خاص آیتوں کے قرآن کریم کے اندر قرآن کریم کو "کتاب" کے لفظ سے بارہا یاد کیا گیا جس میں گویا یہ پیشگوئی تھی کہ کتاب ہو کر دنیا میں شائع ہوگا اور "قرآن" لفظ میں یہ پیشگوئی تھی کہ یہ کلام بار بار پڑھا جاوے گا۔ اور یہ جمع بھی کیا جاوے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حدیث میں آتا ہے کہ (۱) جب کوئی آیت نازل ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاتبانِ وحی کو بلاتے اور فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں آیت اور فلاں سورت میں لکھو۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کی روایت ہے کہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینزل بعد الآیات فیقول ضعوھا فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکذا۔ (فتح الباری)

(۲) پھر آپ کے ساتھ ہر سال رمضان المبارک میں جبرئیل قرآن کریم کا دَور کرتے تھے اور آخری سال پر دَور دو دفعہ سارے قرآن کا ہوا (بخاری) پس ضروری ہے کہ اس دَور میں کوئی ترتیب ہو۔ گویا وہ ترتیب اللہ کی طرف سے قائم کردہ تھی۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی صحابہ کرامؓ کو قرآن سناتے، نمازوں میں قرآن پڑھتے وہ اسی ترتیب سے پڑھتے جس ترتیب سے اب جمع کیا گیا ہے اور اسی ترتیب سے آئندہ نسلوں کو ملا۔ چنانچہ ہمارے دشمن عیسائی مذہب کے متعصب مستشرق بھی اقرار کرتے ہیں کہ یہ وہی قرآن ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دنیا کو دیا اور کہ اس میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ چنانچہ سر ولیم میور اپنی کتاب میں قرآن پر نوٹ لکھتا ہوا اقرار کرتا ہے کہ:۔

(۱) "What we have, though possibly Created and modified by himself, is still his own."

یعنی گو یہ ممکن ہے کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآن خود ہی بنایا تھا۔ مگر جو قرآن ہمارے پاس آج موجود ہے وہ وہی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اُس وقت تھا۔

(۲) "We may upon the strongest presumption affirm that every verse in Quran is genuine and unaltered composition of Muhammad himself."

یعنی ہم نہایت مضبوط قیاسات کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ ہر ایک آیت جو قرآن میں ہے وہ اصلی ہے اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی غیر محرّف ہے۔

(۳) "There is otherwise every security internal and external that we possess text, which Muhammad himself put forth and used."

یعنی علاوہ ازیں ہمارے پاس ہر قسم کی ضمانت موجود ہے۔ بلحاظ اندرونی و بیرونی شہادات سے کہ جو کتاب ہمارے پاس موجود ہے وہ وہی ہے جو محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دنیا کے سامنے پیش کی یا خود استعمال کی۔

(لائف آف محمدؐ کا دیباچہ) (باقی آئندہ)

مفید کتابیں، رسالے اور ٹریکٹ!

(۱) **مناظرہ تہتہ پور**۔ شیعہ صاحبان کے ساتھ ذیل کے چار مضامین پر تحریری مناظرہ ہوا تھا (۱) صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام (۲) ختم نبوت کی حقیقت (۳) تعزیہ (۴) متعہ۔ فرقہ اثنا عشریہ کی طرف سے اس مناظرہ میں جناب مرزا یوسف حسین صاحب مشہور شیعہ مناظر مقرر تھے اور جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری مناظر مقرر تھے۔ قریباً پونے دو سو صفحے کا یہ رسالہ فریقین کے مشترکہ خرچ سے شائع ہوا تھا۔ اب اس کی چند مجلد کاپیاں یہاں میسر آئی ہیں۔ شائقین اصحاب فی نسخہ قیمت مع محصول ڈاک کے لئے سوا روپیہ بھیج کر طلب فرمائیں۔

(۲) **کلمۃ الیقین فی تفسیر خاتم النبیین**۔ یہ سولہ صفحات کا ٹریکٹ خاتم النبیین کی تفسیر میں ایک جامع اور مانع مگر مختصر مضمون پر مشتمل ہے۔ فی نسخہ ایک آنہ اور فی سینکڑہ پانچ روپے۔

(۳) **حضرت مسیح ناصری کی زندگی کے بارے میں جدید انکشاف**۔ بڑے حجم کے چار صفحات پر عمدہ کاغذ پر انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے حوالہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کی تین تصویریں مفصل مضمون کے ساتھ شائع کی گئی ہیں۔ یہ تصویریں حضرت مسیح کی جوانی ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کی ہیں۔ ان تصاویر سے عیسائیت کا یہ عقیدہ سراسر باطل ٹھہرتا ہے کہ حضرت مسیح ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر جا بیٹھے تھے۔ یہ مضمون انگریزی، اردو اور عربی میں اکٹھا شائع کیا گیا ہے۔ فی نسخہ ایک آنہ اور فی سینکڑہ پانچ روپیہ۔

نوٹ:۔ ہر دو ٹریکٹوں کے ایک ایک نسخہ کے لئے مع محصول ڈاک تین آنے کے ٹکٹ بھیجیں۔

(۴) **الفرقان کے چار خاص نمبر**۔ (۱) خاتم النبیین نمبر۔ دسمبر ۱۹۵۲ء میں مسئلہ ختم نبوت پر قرآن مجید کی روشنی میں الفرقان کا خاتم النبیین نمبر شائع ہوا ہے۔ قابل دید مضامین کا مجموعہ ہے۔ حجم یکصد صفحات اور قیمت ایک روپیہ ہے۔ (۲) خلافت نمبر۔ مسئلہ خلافت کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث پر مشتمل نمبر ہے۔ شیعہ صاحبان کی مسلّمہ کتب کے حوالہ جات سے خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت دیا گیا ہے۔ حجم یکصد صفحات اور قیمت ایک روپیہ۔ (۳) **سالانہ علمی نمبر**۔ یہ نمبر بھی اپنی ٹھوس اور علمی معلومات کے لحاظ سے الفرقان کا ایک خاص نمبر ہے۔ حجم یکصد صفحات اور قیمت ایک روپیہ۔ (۴) **قرآن نمبر**۔ حقائق قرآنی پر عالمانہ مضامین کا نہایت دلکش مرقع ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

نوٹ۔ ہر چار خاص نمبروں کے خریدار سے چار روپے کی بجائے تین روپے قیمت لی جائے گی۔

(۵) **احکام القرآن** مصنفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الاسدی۔ قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں اسلامی اخلاق و آداب پر مبسوط بحث کی گئی ہے۔ قابل دید ہے۔ کتابی حجم کے ساڑھے تین صد صفحات پر مشتمل ہے۔

قیمت۔ ساڑھے تین روپے۔

(۶) **تاریخ القرآن**۔ حضرت عرفانی الاسدی کی یہ جدید ترین تصنیف ہے۔ مضمون نام سے ظاہر ہے۔

قیمت۔ ساڑھے تین روپے۔

نوٹ:۔ سلسلہ احمدیہ کی جملہ کتب بھی پتہ ذیل سے طلب فرمائیں:۔

مینیجر مکتبۃ الفرقان، احمد نگر براستہ لالیاں ضلع جھنگ

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۷۰۳

مطالبۂ فرقان!

(حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کے قلم سے)

رسالہ الفرقان اس مقصد کے لئے جاری کیا گیا ہے کہ اشاعتِ حقائقِ قرآنی ہو اور اس رسالہ کا ہر نمبر اسی مقصد کی طرف ایک عملی اقدام ہے اور جماعتِ احمدیہ کی تاسیس اسی مقصد سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے کی ہے اور آپ کی شان میں بتایا گیا کہ وہ ایمان کو ثریا سے لائیگا۔ میں قارئین کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اگر وہ برکاتِ الٰہیہ سے سعادت اندوز ہونا چاہتے ہیں اور کون ہے جو اس کا آرزومند نہیں تو الفرقان کی اشاعت کے لئے کھڑے ہو جائیں جس قدر اس کی اشاعت کا دائرہ وسیع ہوگا اسی قدر وہ سعادت کی منازل میں اُوپر چلتے جائیں گے اور برکاتِ الٰہیہ کے حلقہ میں داخل ہوتے جائیں گے۔ میں ایک دیرینہ خادم قدیم کی حیثیت سے الفرقان کے اس مطالبہ کو دُہراتا ہوں کہ وہ ایک متفقہ کوشش کے ساتھ ۱۹۵۲ء کی دوسری سہ ماہی میں اس کی تعدادِ اشاعت

ایک ہزار تک پہنچا دیں

پھر دوسرے ہزار کے لئے اسکے بعد قدم اٹھایا جائے علیٰ ہذا القیاس۔ میں صرف تحریک نہیں کرتا بلکہ خود بھی حصہ لیتا ہوں اور اس سہ ماہی میں یا تو پانچ خریدار دوں گا (انشاء اللہ العزیز) ورنہ پانچ خریداروں کی قیمت ادا کردونگا[1] اور اللہ تعالیٰ سے جلد اس وعدہ کے ایفا کی توفیق چاہتا ہوں۔

موجودہ خریداران الفرقان میں سے اگر ہر ایک ایک ایک خریدار اپریل ۱۹۵۲ء میں دیدے تو اگلا ماہی کا رسالہ موجودہ اشاعت سے دوچند ہو سکتا ہے (میں رسالہ کی موجودہ اشاعت کا ذکر کرتا مگر میں دشمن کو خوشی کا موقع دینا نہیں چاہتا) ہم کو اپنے پریس کو مضبوط کرنا ہے اور اسکے دائرۂ اشاعت کو وسیع سے وسیع تر کرنا ہے۔

میں حقائق پسند جماعت کے افراد اور جماعتوں سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ

میری آرزو کو صدا بصحرا قرار نہ دیں گے

اللہ تعالیٰ آپ کو ہر نیکی میں مسابقت کی توفیق دے۔ ھو نعم المولیٰ و نعم الرفیق۔

خاکسار۔ یعقوب علی عرفانی الاسدی مدیر الحکم

---

[1] حضرت عرفانی نے اپنے وعدہ کو پورا کردیا ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔ (ایڈیٹر)